اسلام میں مشورہ کی اہمیت

از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دار العلوم دیوبند
و حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان

ادارہ اسلامیات
لاہور - کراچی
پاکستان

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (القرآن)

اور آپ ان سے (صحابہ سے) خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

پھر جب آپ اپنی رائے پختہ کرلیں، تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے۔

اسلام میں مشورہ کی اہمیت

از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

وحضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

"اسلام میں مشورہ کی اہمیت"

باہتمام اشرف برادران

اشاعت اول

۱۹۷۶ء

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

۱۴- دیناناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۳۲۴۴۱۲ ۷ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵ -۴۲ -۹۲+

۱۹۰- انارکلی، لاہور- پاکستان، فون ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی- پاکستان، فون ۷۷۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم، جامعہ دارالعلوم، کورنگی، کراچی نمبر ۱۴

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، چوک لسبیلہ، کراچی

دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی نمبر ۱

بیت القرآن، اردو بازار، کراچی نمبر ۱

بیت العلوم، نابھہ روڈ، لاہور

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام میں مشورہ کی اہمیت

حصہ اوّل

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ خاتم النبیین وقائد الغر المحجلین سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد

آج ہم ایک ایسے مسئلہ سے ابتداء کرتے ہیں جس سے ذوی العقول کے تمام افراد کو بہ فرق مراتب سابقہ پڑتا ہے امور خانہ داری سے معاملات مہمہ سلطنت تک اس سے مستغنی نہیں ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ مشورہ محمود، اور اس کا کاربند ہونا ہلاکت و پشیمانی سے نجات دینے والا طریق صواب کو منکشف کرکے فوز و فلاح تک پہنچانے والا ہے۔ کامیابی اور حصول مقاصد کی کنجی یہی ہے اسی طرح استبداد و استقلال و خود داری کے مضر و مہلک نتائج اور اس کے مذموم و قبیح ہونے سے کونسا مرد ناواقف ہے بالخصوص یہ زمانہ جس کو باصطلاح خود اجتماع و مدنیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس میں تو مشورہ کو اس حد تک پہنچا دیا گیا ہے جس کو دیکھ کر بعض مواقع میں حد سے تجاوز کرنے

افراط میں مبتلا ہونے کا حکم لگا دیا جا سکتا ہے۔

عقلاء زمانہ نے اس مسئلہ میں موشگافیاں کر کے اس کے تمام پہلوؤں کو منظر عام پر لا کر رکھ دیا ہے اور اس کے لئے وہ قواعد و ضوابط مدون کر دیئے ہیں جن کے بعد اب غالباً اس کا کوئی پہلو قابل بحث و تفتیش نہیں رہا، اور اس اعتبار سے اس مسئلہ پر ہمارا قلم اٹھانا شدید بے سود ہوتا اور تحصیل حاصل سے زیادہ وقعت نہ رکھتا۔

لیکن جب مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ دین اسلام نے تمام مکارم اخلاق اور ملکات فاضلہ کی تعلیم و تلقین کی ہے نوع انسانی کی کوئی حالت ایسی نہیں جس کے متعلق شریعت غرا نے جامع و مانع مفصل و مشرح دستور العمل بنا کر ہمیں نہ دیا ہو تو ضرورت ہوئی کہ ہم سب سے اول اسی مسئلہ پر قلم اٹھائیں جو ہر ایک بہتری کی کنجی، اور سعادت و نجات کی ضمانت ہے، اور دکھلا دیں کہ شریعت کی جامع تعلیم نے اس نہایت ضروری اہم اور عام مسئلہ کے اصول کی ہم کو کس حد تک تعلیم دی۔ حکماء امت نے اس کی جزئیات میں کہاں تک موشگافیاں کیں، اور اہل فہم و ادراک نے اس کی کہاں تک پابندی کی ہے۔

ہمارا بیان اس مسئلہ میں تین حصوں اور ایک ضمیمہ پر منقسم ہوگا حصہ اول میں لفظ مشورہ اور شوریٰ کے لغوی معنی اور اس کے اشتقاق کو بیان کریں گے جس سے لغت عرب کی خوبی اور وسعت اس کے الفاظ و معنی کے باہمی تناسب کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا، اور معلوم ہو جائے گا

کہ زبان عرب کے متعلق اہل اسلام کا یہ دعویٰ کہ فصاحت و بلاغت اس کا حصہ ہے کہاں تک مطابق واقع ہے، حصہ دوم میں شوریٰ کی غرض و غایت، منافع و نتائج، قرآن و حدیث سے، مشورہ کا حکم اور اس کی فضیلت مشورہ کے شرائط امور مشورہ طلب کی تقسیم و تفصیل سلف کے اقوال سے، استبداد و خود رائی کے نقصان و مفاسد بیان کیے جائیں گے، اور یہ بھی دکھلایا جائے گا کہ در صورت اختلاف صورت فیصلہ کیا ہونی چاہیے۔ حصہ سوم میں حکماء امت اور عقلاء متقدمین کے اقوال اور اس کے پہلوؤں کی تنقیح و توضیح اور خلفاء اسلام و سلاطین کے مشاورات کے چند واقعات ذکر کیے جائیں گے۔ ضمیمہ میں استخارہ مسنونہ کی بحث کی جائے گی۔

حصہ اوّل

زبان عرب میں چند الفاظ کا استعمال اس بارہ میں ہوتا ہے۔
نمبر۱ مشورۃ نمبر۲ شوریٰ۔ رائے دینا نمبر۳ مشاورۃ باہم رائے زنی کرنا۔ نمبر۴ اِسْتِشَارَۃ۔ رائے طلب کرنا یہ الفاظ ہیں جو خاص طور پر اور رائے زنی کے موقع میں بولے جاتے ہیں ایک لفظ اور بھی ہے جس کا استعمال مخصوص اس بارہ میں نہیں ہے بلکہ صلہ کے بدلنے سے اس کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ اور وہ لفظ اشارہ کے صلہ میں الیٰ آتا ہے تو اس کے معنی محض کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے ہوتے ہیں اور اگر علیٰ آتا ہے تو اس کے معنی مشورہ دینے

کے ہو جاتے ہیں۔ وہی وجہ اس کی کہ اشارہ کے بعد الی یا علی کے آنے سے معنی کیوں بدلتے ہیں تو اس کو ہم آگے بیان کریں گے۔ یہ پانچوں الفاظ اگرچہ باعتبار صیغوں اور باب کے مختلف ہیں۔ مگر ماخذ اور موضع اشتقاق ان کا ایک ہے ان سب کی اصل شور ہے۔

ارباب فہم و دانش یہ معلوم کرکے بہت ہی مسرور ہوں گے کہ مشورہ و مشاورہ سے جو اصلی غرض ہے کہ چند مختلف ضعیف و قوی، صحیح و منتج رائے اور قول مخلصانہ و غیر مخلصانہ اقوال اور ایوان سے ایک عمدہ صحیح و منتج رائے اور قول حاصل ہو جاوے۔ اور وہ صحیح رائے ذریعہ خرابیوں اور تباہیوں سے محفوظ رہنے اور مقاصد میں کامیابی و فلاح کا بن جائے اس کا لحاظ ان الفاظ کے اشتقاق اور ترکیب میں پورا پورا ملحوظ ہے۔

شَور۔ چھتہ میں سے شہد نکالنے کو کہتے ہیں۔ شَارَ یَشُوْرُ اس کا ماضی مضارع آتا ہے کہتے ہیں شُرْتُ العَسَلَ (میں نے شہد کو نکالا) مشوار اور مِشْوَرَہ آلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے شہد نکالا جاتا ہے۔ مشوارہ اور شورہ اس موقع کو کہتے ہیں جہاں شہد کی مکھیاں شہد جمع کرتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ شہد جو ایک شیریں مفید اور نافع چیز ہے جس کو باری تعالیٰ نے شفاء للناس (وہ لوگوں کے لئے شفاء امراض ہے) فرمایا ہے جو دواء و غذا ہونے کی حیثیت سے تمام دنیا میں محبوب

ومطلوب اور محتاج الیہ ہے مکھیوں کے چھتہ میں ان کے زہر آلود ڈنکوں میں گھرا ہوتا ہے اور شہد کے نکالنے والے ان تکالیف کا مقابلہ کر کے اس کو بمشکل نکالتے ہیں لفظ شور سے ہی شارہ وشورۃ نکلے ہیں اور ان کے معنی حسن صورت عمدگی اور اچھی ہیئتہ وضع کے ہیں حدیث میں آیا ہے ان رجلا اتاہ وعلیہ شارۃ حسنۃ ایک شخص آپ کی خدمت میں بدیں حال حاضر ہوا کہ اس کا لباس اچھا تھا اس کی ہئیات وحالت اچھی تھی عرب میں بولتے ہیں فلان حسن شورہ فلاں شخص اچھی ہیئت والا ہے فلان حسن شورہ (فلاں شخص اچھے لباس والا ہے)

گھوڑے وغیرہ جانوروں کو فروخت کے لئے خریداروں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور خریدار اس کو آگے پیچھے سے اوپر نیچے سے اچھی طرح دیکھتا اور اس کے ایک ایک عضو کو ٹٹولتا ہے اس کو بھی شور کہتے ہیں۔ فوجی گھوڑے آزمائش اور امتحان کے لئے میدان میں جمع کئے جائیں اس کو بھی شور کہتے ہیں اور جس جگہ یا جس میدان میں گھوڑے وغیرہ فروخت یا آزمائش کے لئے پیش کئے جاویں اس کو مشوار کہتے ہیں۔

غرض شور اور اس سے جو الفاظ بنائے گئے ہیں ان میں شیرینی، حسن، اور انتخاب کے معنی ہر جگہ موجود ہیں انتخاب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہتر سے بہتر چیز کو جس میں ایسے عیب نہ ہوں جن کی وجہ سے چھوڑ

دینے کے قابل سمجھی جائے پسند کیا جاتا ہے۔

مشورہ - شوریٰ - استشارہ - مشاورہ - سب الفاظ شور سے بنائے گئے ہیں۔ اور ان میں اصل معنی مصدر اور اس کے تمام استعمالات جس قدر ہیں ملحوظ رکھے گئے ہیں ظاہر ہے مشورہ کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اچھی بری، صحیح اور غلط کاریوں سے بہترین اور مثمر اور نتیج رائے کا انتخاب کرلیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ جو رائے ہر قسم کی رایوں سے منتخب کی جائے گی محبوب و مرغوب طبع حسن اور پسندیدہ ہوتی ہے اور جیسا کہ شہد تمام امراض سے شفا کا کام دیتا ہے۔ اچھی اور نیک رائے بھی مہلکات سے نجات دینے والی منزل مقصود تک پہنچانے والی اور ندامت و افسوس سے محفوظ رکھنے والی ہوتی ہے۔

ناظرین ہمارے اس مختصر بیان سے زبان عرب کی وسعت اس کی لطافت و خوبی۔ الفاظ و معنی کی مناسبتوں کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ یہی وہ خصوصیت ہے کہ دنیا کی کوئی زبان، کسی قوم کا لغت اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

رہا لفظ اشارہ جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس کا استعمال کسی شے کے بتلانے اور رائے دینا دونوں معنی میں آتا ہے۔ مگر لغت عرب کے واضع نے اس میں بھی اسی باریکی اور لطافت سے کام لیا ہے جو زبان عربی کا خاصہ ہے۔ حروف میں سے حرف الیٰ کے معنی منزل مقصود تک پہنچا دینے یا متوجہ کر دینے یا کسی چیز کو بتلا دینے کے ہیں اور

علی کے معنے لازم و واجب کر دینے کے آتے ہیں۔ عربی زبان میں اگر اشار الیہ بولتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف اشارہ کر دیا اس میں وجوب عمل کی طرف ایما، نہیں ہوتا برخلاف اشار علیہ (اس کو مشورہ دیا) اس میں یہ معنی ضرور ملحوظ ہیں کہ جس کو مشورہ دیا گیا ہے اس کو عمل کرنا ایک حد تک ضروری اور لازم قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قاتل ہرمزان کے بارہ میں مشورہ طلب کیا تو ارشاد فرمایا اشیروا علی فی ھذا الرجل الذی فتق فی الاسلام ما فتق (مجھے اس شخص کے بارہ میں جس نے اسلام کے اندر اتنا بڑا رخنہ ڈالا مشورہ دو) الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ ایسی رائے طلب کرتی تھے جس پر عمل فرما دیں۔ اور ظاہر ہے کہ جبکہ ایک جماعت سے کسی معاملہ میں رائے طلب کی جاتی ہے تو ہر شخص اپنی رائے کو واجب العمل سمجھ کر پیش کرتا ہے اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر اس رائے پر عمل نہ کرنے سے مشیر کو ملال یا کبیدگی ضرور ہوتی ہے۔ گو عقل و نقل کے قاعدہ سے اس کبیدگی یا ملال کے اظہار یا اس پر جمود کا کوئی مستحق نہیں ہے۔ لغۃ کی تحقیق میں جس قدر لکھ دیا گیا ہمارے نفس مدعا کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کی اس موقع پر گنجائش نہیں۔

حصہ دوم

مشورہ کا حکم اس کی ضرورت غرض و غایت نتائج و فوائد	مشورہ کی غرض و غایت انسان کو مہلک اور برباد کرنے والی غلطیوں سے محفوظ رکھنا

معاملات کی اصلاح اور نظام عالم کو ایسی ترتیب پر قائم رکھنا ہے جو مختلف القویٰ۔ متفاوت العقول کے باہم اجتماع کے مناسب ہو جبکہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ انسان کے تمام افراد باعتبار عقل کے مساوی نہیں ہیں بلکہ ان کی عقول میں اسقدر تفاوت ہے کہ ایک اگر اپنی مافوق الفطرۃ عقل وتمیز اور ادراک وشعور کی وجہ سے اپنا رجنس میں حیرت واستعجاب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو دوسرا اس درجہ نیچے گرا ہوا ہے جس کو بمشکل حیوانات اور غیر ذوی العقول سے جدا کر سکتے ہیں۔ ان کے افعال و اطوار اور بہائم کے طبعی و خلقی افعال میں بہت ہی کم فرق محسوس ہوتا ہے۔

اور یہ بھی مسلم ہے کہ عقل انسانی باعتبار اصل فطرۃ کتنی ہی بلند واقع ہوئی ہو مگر اس کا نشوونما اس کی ترقی اور ارتقاء کا آلہ حقیقی تجربہ اور ممارست معاملات ہے دانشمند سے دانشمند بھی بلا تجربہ ناقص اور اس کی رائے غیر قابل قبول ہوتی ہے۔ وہ اپنی عقل سے خطا وصواب کے راستے بے شک بتلاتا ہے لیکن جو باتیں تجربہ کے متعلق ہوتی ہیں وہ بغیر عالم کے تغیرات اور واقعات وحالات پر فلسفیانہ وحکیمانہ نظر ڈالے حاصل نہیں ہوتیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک خود مبتلا ہو کر سرد وگرم سے واقف نہ ہو جاوے ہرگز اس کی رائے صائب نہیں ہو سکتی۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ ایک نہایت دانشمند وزیرک فنون جنگ کی کتابوں کا عالم وحافظ بلکہ کسی مکتب حربیہ کا پروفیسر یا پرنسپل میدان جنگ سے دور دراز بیٹھے ہوئے معرکہ آرائی کی تدبیریں بتلاتا ہے اور ہر ایک نشیب

تجربے کئے ہوں) لفظ حلیم حِلم بکسر الحاء بمعنی دانش وعقل سے مشتق ہے آپ کا حصر کے ساتھ ارشاد فرمانا کہ دانشمند صرف وہی ہے جس نے تجربے کئے ہوں، ٹھوکریں کھائی ہوں صاف بتلاتا ہے کہ بغیر لغزشوں کے آدمی پختہ کار نہیں ہوتا اس کے اخلاق و ملکات ناقص و ناتمام رہتے ہیں۔ اور اگر حلیم کو تحمل و بردباری کے معنی میں لیا جائے تب اس ارشاد میں ایک دوسرا مدعیٰ ثابت ہوگا جو اپنی اہمیت وصحت میں معنی اول کے ہم سنگ ہے اور جس سے آپ کے ارشادات کا جوامع الکلام ہونا اور بھی روشن ہو جائے گا یعنی کسی شخص میں اصل فطرۃ سے اگرچہ حلم و بردباری موجود ہو لیکن اس کو ایسے مواقع اور واقعات سے سابقہ نہیں پڑا جن سے ان کے تحمل کے عمق اور بردباری کی تہ کا اندازہ ہو سکے ایسے شخص کو حلیم اور بردبار نہ کہنا چاہیئے۔ حلیم وہی شخص ہو سکتا ہے جو کڑی سے کڑی بات پر بھی جنبش نہ کرے چیں بجبیں نہ ہو۔ اور در حقیقت یہ حالت بغیر تجربہ اور ٹھوکریں کھائے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بہت سے شخص دیکھنے میں کوہ وقار معلوم ہوتے ہیں لیکن چھوٹے سے خلاف طبع کا تحمل انھیں دشوار ہو جاتا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو بڑے سے بڑے معاملہ میں تحمل کر لیتے ہیں۔ لیکن کبھی کسی چھوٹے اور غیر معتدبہ امر میں اپنی حالت سے نکل جاتے ہیں پھر معاملات کی نوعیت مختلف ہوتی ہے اس لئے تجربہ ہی ایسی چیز ہے جو حلیم کو حقیقی حلیم بناتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلم وعفو میں مشہور ہیں آپ

---

[۱] مستطرف جلد اول صہ ۱۶۸ ۱۲

تجربے کئے ہوں) لفظ حلیم حِلم بکسر الحاء بمعنی دانش وعقل سے مشتق ہے آپ کا حصر کے ساتھ ارشاد فرمانا کہ دانشمند صرف وہی ہے جس نے تجربے کئے ہوں، ٹھوکریں کھائی ہوں صاف بتلاتا ہے کہ بغیر لغزشوں کے آدمی پختہ کار نہیں ہوتا اس کے اخلاق و ملکات ناقص و ناتمام رہتے ہیں۔ اور اگر حلیم کو تحمل و بردباری کے معنی میں لیا جائے تب اس ارشاد میں ایک دوسرا مدعیٰ ثابت ہوگا جو اپنی اہمیت وصحت میں معنیٰ اول کے ہم سنگ ہے اور جس سے آپ کے ارشادات کا جوامع الکلام ہونا اور بھی روشن ہوجائے گا یعنی کسی شخص میں اصل فطرۃ سے اگرچہ حلم و بردباری موجود ہو لیکن اس کو ایسے مواقع اور واقعات سے سابقہ نہیں پڑا جن سے ان کے تحمل کے عمق اور بردباری کی تہ کا اندازہ ہوسکے ایسے شخص کو حلیم اور بردبار نہ کہنا چاہیئے۔ حلیم وہی شخص ہوسکتا ہے جو کڑی سے کڑی بات پر بھی جنبش نہ کرے چیں بجبیں نہ ہو۔ اور درحقیقت یہ حالت بغیر تجربہ اور ٹھوکریں کھائے حاصل نہیں ہوسکتی ۔ بہت سے شخص دیکھنے میں کوہ وقار معلوم ہوتے ہیں لیکن چھوٹے سے خلاف طبع کا تحمل انھیں دشوار ہوجاتا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو بڑے سے بڑے معاملہ میں تحمل کرلیتے ہیں۔ لیکن کبھی کسی چھوٹے اور غیر معتدبہ امر میں اپنی حالت سے نکل جاتے ہیں پھر معاملات کی نوعیت مختلف ہوتی ہے اس لئے تجربہ ہی ایسی چیز ہے جو حلیم کو حقیقی حلیم بناتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلم وعفو میں مشہور ہیں آپ

۱؎ مستطرف جلد اول صـ۱۶۸ ۱۲

فرمایا کرتے ہیں مجھے شرم آتی ہے کہ دنیا میں کوئی قصور ایسا ہو جس کو میرا علم شامل و محیط نہ ہو سکے۔ لیکن ان کا یہ دعویٰ اور افتخار غالباً قابل التفات و تصدیق نہ ہوتا اگر انھیں پر بعض واقعات عظیمہ نہ گزرتے جن سے ان کی کوہ وقاری کا تجربہ ہوا ایک مرتبہ امیر معاویہ اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں ناخوشی کی گفتگو ہو گئی حضرت عقیل کبیدہ خاطر ہو کر اُٹھ گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معذرت میں خط لکھا جس کا حاصل یہ تھا کہ تم قصیّ بن کلاب (جد اعلیٰ قریش مکہ) کی شاخ میں عبدمناف (ہاشم کے والد ماجد) کے جوہر اور مغز ہاشم (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پر دادا) کے برگزیدہ فرزند ہو تمہارے کوہ وقار اخلاق اور بلند فطرت عقلیں کیا ہوئیں۔ مجھے اس بات کا بہت ملال ہے جو معاملات باہم پیش آئے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ قبر میں دفن ہونے تک کبھی ایسی بات پیش نہ آئے گی اس کے جواب میں حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دو شعر لکھ کر بھیج دیئے۔

صدقت وقلت حقا غیر انی اری ان لا اراك ولا ترانی ولست اقول سوءً فی صدیقی ولکنی اصدّ اذا جفانی	تم نے بالکل سچ کہا مگر میں یہ عہد کر چکا ہوں کہ نہ میں تمہاری صورت دیکھوں نہ تم میری۔ میں اپنے دوست کی کوئی بُرائی کرنا پسند نہیں کرتا۔ ہاں جب وہ میرے ساتھ جفا کرتا ہے تو میں اعراض کر کے بیٹھ رہتا ہوں۔

ان اشعار کو دیکھتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور جس قدر ممکن تھا معذرت و ملاطفت کی اور قسمیں دیں کہ آپ اپنے اس خیال کو چھوڑ کر اصلی حالت پر آجائیں انجام یہی ہونا تھا کہ وہ راضی ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ لغزش نہ ہوتی اور وہ دوستانہ انداز میں نہ کہ بر بناء زعم سلطنت ناگوار کلمہ نہ کہہ گزرتے تو آئندہ ایسے امور سے محترز رہنے کی تنبیہ ان کو نہ ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی کچھ زمین ایک موقع پر تھی اور اس کے متصل ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی تھی۔ امیر معاویہ کے ملازموں اور کارپردازوں نے غالباً قوت خلافت کے بھروسہ ان کی زمین پر تصرف کرنا شروع کر دیا۔ جس پر ناراض ہو کر انھوں نے ایک خط امیر معاویہ کو بدیں مضمون لکھا کہ آپ اپنے نوکروں کو منع کر دیجئے کہ میری زمین پر تصرف نہ کریں والا کان لی ولک شان نہیں تو جو کچھ میرے آپ کے درمیان پیش آئے گا معلوم ہو جائے گا۔

یہ تہدید آمیز خط ایسا نہ تھا جس میں کسی صاحب سلطنت و قدرت کو غیظ و غضب نہ آتا چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے یزید کو دکھلا کر مشورہ کیا تو اس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ایسا عظیم الشان لشکر بھیجیں جس کا ایک سرا ان تک ہو تو دوسرا آپ کے پاس اور حکم دیجیے کہ ان کا سر اتار کر لائیں بیٹے کی یہ رائے سن کر بردبار باپ نے کہا نہیں بیٹا ایک اور بات اس سے بھی بہتر ہے۔ پھر قلم اور کاغذ

اٹھاکر جواب خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا خط دیکھا جس کو دیکھ کر مجھے اسقدر صدمہ ہوا جتنا ان کو آپ کی رضامندی کے مقابلہ میں ساری دنیا کی حقیقت بھی میرے نزدیک کچھ نہیں ۔ میں نے اپنی زمین کو بالکل چھوڑ دیا رہ بھی آپ ہی کی ہے ۔ اس جواب کے پہنچتے ہی عبداللہ بن زبیر کا غیظ وغضب یک لخت بدل گیا اور جواب اس کے لکھا امیرالمؤمنین کے جواب پر مطلع ہوا ۔ خدا تعالیٰ آپ کو دیر تک باقی رکھے ۔ اور جن اوصاف نے آپ کو اس درجہ پر پہنچایا ہے وہ زائل نہ ہوں ۔ آپ نے یہ خط پڑھ کر یزید کو دیا اور فرمایا جو شخص عفو کا خوگر ہوتا ہے سردار بن جاتا ہے اور جو بردباری کرتا ہے اس کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور جو درگذر کرتا ہے لوگ اس کی طرف جھک جاتے ہیں ۔ تم کو جب کبھی ایسی مشکلات میں مبتلا ہونے کی نوبت آئے ۔ تو اس کی یہی تدبیر ہے ۔

ظاہر ہے کہ عبداللہ بن زبیر میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی ۔ دوسری جانب ایسا سامان موجود تھا کہ اشارہ میں کام تمام ہو جاتا ۔ سارے جھگڑے مٹ جاتے ۔ مگر ایسے ہی وقت ثابت قدم رہنا ۔ عقل و بردباری کا ثبوت دے سکتا تھا ۔ اور اسی کا نتیجہ ہوا کہ عبداللہ بن زبیر باوجود اس سخت منافرت کے خلاف کے نرم ہو گئے ۔

احنف بن قیس حلم و بردباری میں ضرب المثل ہیں ۔ رو فرمایا

۱ مستطرف جلد اول صفحہ ۱۶۸

کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مجھے تکلیف پہنچاتا ہے یا سب و شتم سے پیش آتا ہے تو میں اس کے بارے میں غور کرتا ہوں اگر اس کا مرتبہ مجھ سے بڑا ہے تو اس کی بزرگی جواب سے مانع ہوتی ہے، اگر ہم رتبہ ہے تو اس پر مہربانی کرتا ہوں۔ اگر کم درجہ ہے تو اس کے مقابلہ کو اپنی حقارت سمجھتا ہوں۔

ایک مرتبہ وہ ہنڈیا پکا رہے تھے، ایک شخص نے کہا کہ یہ ہنڈیا بندر کی ہتھیلی کے برابر ہے نہ کسی مانگنے والے کو عاریتاً دی جاتی ہے نہ جو اس میں سے کھائے اس کو چکناہٹ حاصل ہوتی ہے احنف نے سن کر کہا اگر یہ شخص چاہتا تو اس سے اچھی بات کہہ سکتا تھا۔

احنف کا مقولہ ہے کہ حلم و بردباری میں جو ذلت مجھے پہنچتی ہے اس کے مقابلہ میں اگر سرخ اونٹ (سرخ اونٹ عرب میں نہایت عزیز تھے) مل جائیں تو مجھے ہرگز پسند نہیں ہے۔

احنف سے کسی نے پوچھا کہ تم نے حلم و بردباری کو کس سے حاصل کیا۔ کہا قیس بن عاصم سے ہم ان سے حلم و بردباری سیکھنے اس طرح جاتے تھے جس طرح علماء کی خدمت میں فقہ حاصل کرنے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ لوگ ان کے بھائی کو مشکیں باندھے ہوئے لائے اور کہا اس نے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ قیس کچھ بات کر رہے تھے۔ یہ سن کر نہ سلسلہ کلام منقطع کیا۔ نہ چہرہ پر تغیر ہوا۔ جسطرح بیٹھے تھے اسی وقار سے بیٹھے رہے اور جب گفتگو ختم کر چکے تو فرمایا۔ تم

نے میرے بھائی کو خوف زدہ کر دیا۔ اور پھر اپنے دوسرے بیٹے کو بلا کر کہا کہ بھائی اپنے چچا کو کھول دو۔ اپنے بھائی کو دفن کر دو۔ اور مقتول کی والدہ کو دیت میں سو ارنٹ دیدو۔ وہ غریب الوطن ہے شاید اسطرح اس کو تسلی ہو جاوے۔

حلم و بردباری کرنا سہل ہے۔ معمولی مجرموں سے درگذر بھی آسان ہے تھوڑا بہت نقصان گوارا کر لینا بھی دشوار نہیں ہے۔ مگر امتحان کا وقت یہی تھا کہ لخت جگر قتل کر دیا جائے۔ اس کی لاش سامنے لا کر ڈالی جائے اور پھر عقل و حواس بجا رہیں۔ غضب و جوش انتقام کو حرکت نہ ہو۔ قیس کو معاف کر دینے کا حق شرعاً حاصل تھا۔ مگر جہاں ایک طرف بھائی کے ساتھ سلوک کیا تو دوسری طرف غریب ماں کی دلجوئی میں بھی کمی نہ کی اور اپنے مال سے سو اونٹ دیت کے دیدیئے۔ یہ ہیں وہ اخلاق اور ملکات جن پر کوئی قوم فخر کر سکتی ہے۔

یہاں تک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے ایک حصہ لا حلیم الا ذو عثرة کے ایک پہلو کو واضح کرنے کے لئے استطراداً یہ چند واقعات نقل کر دیئے ہیں کیونکہ وہ ناظرین کے واسطے دلچسپی سے بھی خالی نہ تھے۔ اب ہم ارشاد مبارک کے دوسرے حصہ لا حکیم الا ذو تجربة کی طرف بالخصوص متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ دوسرا جملہ صاف بتلا رہا ہے کہ صاحب عقل سلیم و فطرت بلند و رائے صائب بلا تجربہ کے حکیم کا رتبہ نہیں پا سکتا۔ حکیم وہی شخص ہو سکتا ہے جو عاقل کامل

کے ساتھ تجربہ کار اور سرد و گرم چشیدہ ہو اور یہی ہمارا مدعا تھا کہ عقل کے ارتقاء کا حقیقی آلہ تجربہ ہے۔

جملہ اولیٰ کا حلیم الا ذو عثرۃ میں جو دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ جملہ ثانیہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ ان میں سے حلم کو بمعنی بردباری و تحمل لینا زیادہ موزوں ہے۔

اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ تمدن کا مدار تعارن تناصر (باہم امداد و معاونت یاری و مددگاری) پر ہے وحشی اور تمدن کے درمیان فرق ہے تو یہی ہے کہ وحشی جیسا کہ خود اپنے تمدن و اسباب معیشت میں دوسرے کے کام میں بھی کم آتا۔ بہائم حقیقی وحشی ہیں ان میں بہت کم رابطہ انس و تعلقات ہوتے ہیں۔ اور جو ہوتا ہے وہ بھی طبعی ہوتا ہے عقلی و اختیاری نہیں۔ انسان کو بہائم سے تمیز ہے تو یہی ہے کہ اس میں فطرۃً انس و محبت امداد و استمداد کا مادہ ودیعت رکھا گیا ہے۔ اور یہ امداد و استمداد کا مادہ ودیعت رکھا گیا ہے معاش و معاد میں داخل ہے۔ دنیا میں بادشاہ سے لے کر ادنیٰ رعیت اور عالم سے لے کر جاہل کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو دوسرے کی احتیاج نہ ہو۔ بلکہ جس قدر بڑے رتبہ کا ہوتا ہے اتنا ہی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ مخلوق میں انسان سب سے زیادہ محتاج اور دست نگر ہے۔ انسان کے طبقات میں جو سب سے اعلیٰ شمار ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ مقید اور محتاج ہیں۔ اور انسان کے تمام اچھے اور برے حالات و معاملات اس کی نیک نامی و

بدنامی آبادی و بربادی نجات و ہلاکت، افعال اور اقوال پر ہے۔ دنیا میں بہت ہی کم ایسے نادان و کودن ہیں جو جان بوجھ کر اپنے آپ کو تباہی و بربادی میں ڈالیں یا جو اپنے لئے بہبودی اور فلاح کی فکر نہ کریں۔ لیکن باوجود اس کے کہ آدمی اپنے نفس کا ساری دنیا سے زیادہ خیر خواہ ہے۔ پھر اس سے بااختیارِ خود ایسے افعال کیوں صادر ہوتے ہیں۔ جن کے انجام جان و مال، عزت و آبرو کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ تباہ و برباد ہوتا ہے۔ ندامت، پشیمانی۔ ذلت و رسوائی پیدا حاصل ہوتی ہے۔ صرف رائے کی غلطی سے کبھی مضر و مفید کے انتخاب میں غلطی ہوتی ہے۔ کبھی واقعات کے اسباب میں اشتباہ پڑ جاتا ہے۔ کبھی صحیح تدبیر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔ کبھی ایک ہی واقعہ کے بہت سے اسباب اور ایک ہی معاملہ کی بہت سی تدابیر ہوتی ہیں اور سب بجائے خود صحیح و نتیجہ خیز بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اس کی خاص تدبیر کو اختیار کرنے میں اشکال پیش آتا ہے۔ خود باوجود دانشمند، زیرک ہونے کے متحیر ہو جاتا ہے غرض بہت سے وجوہ پیش آتے ہیں کہ تنہا اس کی رائے فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اگر ایسے مواقع میں اپنی رائے پر اعتماد کر کے کچھ کر بیٹھتا ہے تو ناکام ہوتا ہے۔ ہم چشموں میں ذلت ہوتی ہے۔ اس لئے کسی بڑے یا چھوٹے کام کو شروع کرنے سے پہلے رائے صحیح کا منقح کر لینا نہایت ضروری امر ہے۔ متنبی کہتا ہے۔

اَلرَّأْیُ قَبْلَ شَجَاعَةِ الشُّجْعَانِ	رائے بہادروں کی شجاعت سے بھی پہلے
هُوَ اَوَّلٌ وَّهِیَ الْمَحَلُّ الثَّانِیْ	ہے اس کا درجہ اول ہے اور شجاعت کا درجہ بعد میں

یہ شاعر بتلاتا ہے کہ شجاعت جو حقیقت میں اعضاء کے متعلق ہے اور جس میں تہور، دلیری اور ناعاقبت اندیشی سے کام چلتا ہے اس کا مدار بھی رائے پر ہے اگر کم عقلی اور بے تدبیری سے کوئی شخص اپنے کو دشمنوں کے نرغے میں پھنسا دے۔ اور گو اس وقت وہ داد شجاعت دیکر جان دیدے یا سب سے جان لے کر سالم بچ جائے لیکن اس کو حقیقی شجاعت نہیں کہتے اصل شجاعت یہی ہے کہ مشغول کا زار رہونے سے پہلے دشمن کو اپنی تدبیر و حیلہ سے شجاعت دے اور عین معرکہ میں وہ تدبیر اختیار کرے جو سیف و سنان سے زیادہ مؤثر کارگر ہوں الحرب خدعة اور جیسا کہ انسان کو اپنے تمام معاملات میں دوسروں سے امداد و استمداد کی حاجت ہے رائے میں دوسروں سے امداد کا محتاج ہوتا ہے اور جبکہ مشورہ و تبادلہ خیالات سے ایک معاملہ کے تمام پہلو روشن واضح ہو گئے۔ اس کے متعلق تمام تدابیر کا علم ہو گیا اور پھر باہمی مشورہ سے وہ تدبیر بھی متعین کر دی گئی جس کا استعمال اس وقت مناسب ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ایسی حالت میں بہت کم ان غلطیوں میں مبتلا ہوتا ہے جو ناکامی کا سبب بن جاتی ہیں۔ بلکہ اکثر ربیشتر یہ شخص اپنے مدعا میں پورا پورا کامیاب اور فائز المرام ہوتا ہے۔ اور اگر احیاناً باوجود بہتر سے بہتر تدبیر کرنے کے حصول مدعا میں کامیاب نہ ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ بہت سے ذوی العقل بھی مل کر صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکیں۔ انسان کتنا ہی زیرک، دانشمند تجربہ کار سرد گرم چشیدہ ہو مگر علم غیب اس کو نہیں ہے جس

سے وہ یقیناً کسی نتیجہ کے وقوع پذیر ہونے کا حکم لگا سکے۔ معہذا انسان کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے عقل رسا اور تجربۂ تام کی وجہ سے معاملہ کے صحیح اسباب بنا دیئے مگر ہر سبب کا نتیج ہونا خود یقینی نہیں ہے۔ باوجود ناکامیاب ہونے کے بھی یہ شخص اس ندامت و پشیمانی سے محفوظ رہتا ہے۔ جو خود رائی کے بعد ہو سکتی ہے۔ اور اس قسم کے طعن و تشنیع کی زد سے بالکل بچ جاتا ہے جس کا در صورت عدم مشورہ ابنائے زمانہ کی طرف سے پیش آنا ضروری تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جن دانشمند بزرگوں اور ہوشمند تجربہ کاروں کے مشورہ پر کاربند ہو کر کام کیا تھا۔ عیر کامیابی کی صورت میں وہ اس کے بہت زیادہ ممد و معاون بن جاتے ہیں۔ وہ اپنی ممکن سے ممکن کوشش اس کے کامیاب کرنے میں صرف کر ڈالتے ہیں اور اگر اس معاملہ خاص میں آخر تک ناکامی رہے تو بھی ہر نقصان کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ گویا اس شخص نے محض اپنی فلاح و بہبودی کے لئے مشورہ کر کے ایک بھاری لشکر اپنی امداد و معاونت کے لئے تیار کر لیا جو ہر وقت ہر پہلو سے اس کی امداد کو آمادہ ہے۔

خلاصہ ہماری تمام معروضات کا یہ ہے کہ متمدن دنیا میں انسان کے اپنے تمام معاملات کی اصلاح و بہبودی کا مدار رائے صحیح پر ہے رائے میں امداد و استمداد کا مسئلہ سب سے اہم اور واجب العمل ہو گا۔ گویا اساس تمدن مشورہ پر ہے۔ اور عالم کی صلاحیت اس کی آبادی

اس کی رونق و شادابی کا مدار تبادلہ آراء و خیالات پر ہے اور پھر اس کا کوئی پہلو۔ فوائد و نتائج مفیدہ سے خالی نہیں ہے۔

مشورہ کا حکم اور اس کی فضیلت جب یہ معلوم ہو گیا کہ تمدن کا لازمی جزو استشارہ و مشاورت ہے۔ عالم کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے جو انسان کی ہر حالت میں رہبر اور ہر قسم کی فلاح و بہبود کی متکفل ہے اس مسئلہ کی نسبت کیا حکم دیا ہے اور اس کی خوبیاں کس حد تک ذہن نشین کی ہیں۔ اس بارہ میں ہم اول نصوص قرآنی معہ تفسیر متعلقہ آیات۔ اور پھر روایات احادیث اور پھر اقوال صحابہ و سلف امتہ مرحومہ بیان کریں گے۔

نصوص قرآنی

نص اول. فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۔

خدا کی بڑی رحمت سے تم ان کے لئے نرم بن گئے۔ اور اگر تم کج خلق سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے متفرق ہو جاتے ان سے درگزر کرو اور ان کے لئے استغفار کرو معاملات میں ان سے مشورہ کرو۔ لیکن جب عزم کر چکو تو خدا پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ متوکلوں کو دوست رکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فرائض بعثت و رسالت ادا کرنے اور گمراہوں اور بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کرنے اور راہ راست پر لانے کے لیے ملاطفت نرم خوئی۔ درگزر اور حسن اخلاق کی ضرورت ہے تاکہ ناواقف حسن اخلاق اور ملاطفت کی وجہ سے آپ کے گرد جمع ہوں اور آپ کے فیض صحبت اور ارشادات سے متمتع ہو کر پختہ کار مسلمان بن جائیں۔ اور اس کے برخلاف آپ کے اخلاق میں نرمی نہ ہوتی آپ ناواقفوں اور جاہلوں کی اکھڑپن کو برداشت نہ کرتے۔ خلاف شان اور خلاف ادب کسی ایک لفظ یا حرکت پر دارو گیر د مواخذہ فرماتے۔ آپ دشمن تو دشمن دوستوں کی نامناسب حرکات کا تحمل نہ فرماتے۔ یا آپ سخت دل ہوتے آپ میں شفقۃ علی الخلق کوٹ کوٹ کر نہ بھری ہوتی تو یہ مقبولیت عامہ مخلوق کا یہ اجتماع اور یہ جاں نثاری حاصل نہ ہوتی بلکہ جب لوگ یہ دیکھتے کہ آپ بھی مثل اور انسانوں کے معاملہ فرماتے برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں۔ درگزر فرمانا اور اپنے اوپر تکلیف اٹھانا نہیں جانتے تو اول تو اس قسم کی گرویدگی حاصل ہی نہ ہوتی اور نہ لوگ آپ کے گرد جمع ہوتے اور جو ہوتے بھی تو وہ انداز و طرز کو دیکھ کر الگ ہو جاتے وہ خود ہلاکی رہناہی کے گڑھے میں گرتے اور بعثت کا مقصود حاصل نہ ہوتا اور جب یہ بات ہے تو آپ کے حقوق اللہ میں جو کمی واقع ہو اس کے بارہ میں استغفار کرنا چاہیئے۔ اور ان سے معاملات میں مشورہ کرتے رہنا چاہیے۔

ارشاد مذکورہ بالا سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ فرمانے کا حکم ہے اور یہیں سے مشورہ کے منجملہ ضروریات، ہونے کے تنقیح بھی ہو گئی کہ جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ آپ نزول وحی کی وجہ سے مستغنی تھے یہ حکم ہے تو مسلمانوں کا اور کوئی فرد خواں کسی درجہ و رتبہ کا ہو کیسے حکم سے مستغنی ہو سکتا ہے، ہر شخص کے ذمہ ہے کہ تمام ایسے امور کے اندر جن میں صواب و خطا میں اشتباہ ہو مشورہ کرے۔

لیکن آیت کے متعلق چند مباحث ہیں جن کی تنقیح و تحقیق ضروری ہے جس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حکم مذکور کی تنقیح و توضیح بھی بخوبی ہو جائے گی۔

مبحث اول ۔ صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم کس بنا پر تھا۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ مشورہ کی جو اصل غرض ہوتی ہے یعنی تعین رائے صائب و صحیح وہی ہے ہوتی تھی۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لابي بكر وعمر لو اجتمعتما في مشورة ما خالفتكما۔	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں خلاف نہیں کروں گا۔
(الامام احمد عن عبدالرحمن بن غنم)	

نیز ترمذی وغیرہ کتب میں مروی ہے کہ جب آیۃ شریفہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً

اے ایمان والو جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہو تو سرگوشی سے پہلے خدا کی راہ میں کسی قدر خیرات دیا کرو۔

"نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کتنا صدقہ ہونا چاہیے۔ ایک دینار تو حضرت علی نے جواب دیا یہ تو بہت زیادہ ہے مسلمان اس کے متحمل نہ ہوں گے۔ فرمایا نصف دینار جب بھی یہی جواب دیا یہ تو بہت زیادہ ہے ارشاد فرمایا تو پھر کتنا ہونا چاہیے عرض کیا کہ ایک جو کی قدر آپ نے فرمایا تم تو بہت زاہد ہو یعنی دنیا سے بے رغبت اور مال کو نہ رکھنے والے۔ اس کے بعد پوری آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔

کیا تم لوگوں سے یہ نہ ہو سکا کہ اپنی سرگوشیوں سے پہلے خیراتیں دیا کرتے (خیر) جب تم نے اس پر عمل نہ کیا اللہ نے تم سے معاف فرما دیا تو اب صرف نمازیں ادا کیجیے۔ اور تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے میری وجہ سے امت پر تخفیف فرما دی اور رہر مرتبہ مناجات کے وقت جو صدقہ کا حکم تھا جس کا تحمل ہر ایک سے نہ ہو سکتا تھا منسوخ ہو گیا۔

حضرات شیخین کے بارے میں یہ ارشاد کہ اگر تم کسی امر میں متفق ہو جاؤ تو تمہارا اختلاف نہ کروں گا۔ دلالت کرتا ہے کہ آپ ان کی رائے پر عمل فرماتے تھے اور مقصود تحصیل رائے تھا علی ہذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صدقہ کے بارہ میں مشورہ کرنا خود اس کی دلیل ہے۔

اور جلیل القدر تابعی قتادہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی کچھ حاجت نہ تھی، وحی کے ذریعہ سے تمام امور آپ کو معلوم ہو سکتے تھے۔ باایں ہمہ جو آپ کو مشورہ کا حکم دیا گیا محض مسلمانوں کے اطمینان اور تطییب قلب کے لئے تھا اور یہ امر آپ کے حسن اخلاق اور ملاطفت کے تکملہ میں داخل تھا ہر مسلمان کو یہ علم تھا کہ آپ جو کرتے ہیں جو فرماتے ہیں باشارہ وحی فرماتے ہیں پھر عقل و فراست آپ کی تمام عالم کی عقل سے فائق۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کے مشورہ کی ہرگز حاجت نہ تھی یا اینہمہ جہاں کھاتے پینے چلتے پھرتے بیٹھنے اٹھنے میں آپ مساوات و بے تکلفی کا معاملہ فرماتے تھے اسی کی تکمیل کیلئے آپ کو یہ حکم بھی ہوا کہ معاملات میں مشورہ کر لیا کریں تاکہ ان کا دل خوش ہو جائے۔ اور حضرت حسن بصریؒ یہ فرماتے ہیں کہ

آپ کو مشورہ کا حکم تعلیم امت کی غرض سے تھا۔ یعنی آپ کو مشورہ کرنے کا حکم اس لیئے دیا گیا کہ آپ کے فعل کو دیکھ کر امت بھی اقتدا کرے اور سمجھ لے کہ جب آپ، باوجود نزول وحی کے مشورہ فرماتے تھے تو وہ لوگ جن کے پاس کوئی ذریعہ حصول علم یقینی اور اطمینان قلب کا نہیں ہے کیونکر مشورہ سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال لما نزلت وشاورهم في الامر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اما ان الله ورسوله لغنيان عنها ولكن جعلها الله تعالى رحمة لامتي فمن استشار منهم لم يعدم رشدا ومن تركها لم يعدم غيا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب آیۃ وشاورھم فی الامر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ نے ارشاد فرمایا دیکھو خدا اور اس کا رسول مشورہ سے بالکل مستغنی ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو امت کے لئے رحمت کا سبب بنایا ہے میری امت میں سے جو شخص مشورہ سے کام کرے گا رشد وہدایت اس کے ساتھ رہے گی اور جو اس کو چھوڑے گا گمراہی و کجروی اس کا ساتھ نہ چھوڑیگی۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ باوجود مستغنی ہونے کے مشورہ کا حکم صرف امت کی تعلیم و اقتدا کی غرض سے دیا گیا۔ یہ تین احتمال ہیں جن کی طرف علماء حقانی گئے ہیں ایک چوتھا احتمال اور بھی ہے وہ یہ کہ مشورہ سے غرض و غایت امتحان ہوتا تھا۔ یعنی ناصح وغیر ناصح

ہمدرد و غیر ہمدرد میں تمیز کرنا یا مشیر کی صدق و اخلاص کا اندازہ کرنا مگر اس احتمال کو ضعیف و ناقابل التفات قرار دیا گیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان احتمالات میں کسی کو ترجیح دیں یا ان کے متعلق اپنی رائے بیان کریں معاملات مشورہ طلب کی تفصیل اور اختلاف کی اصل منشاء کو بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

معاملات کل دو قسم کے ہیں دینی و دنیوی دینی معاملات دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک وہ جن میں وحی آچکی دوسرے وہ جن میں وحی نہیں آئی۔ اور پھر جن معاملات میں وحی نہیں آئی ان کی بھی دو قسمیں ہیں اول وہ جن میں مشورہ کے بعد وحی نازل ہوئی۔ دوسری وہ جن میں مشورہ پر عمل کیا گیا اور وحی نازل نہ ہوئی۔ گو کسی معاملہ میں آپ کے عمل کو جائز و برقرار رکھنا بھی وحی کے حکم میں داخل ہے کیونکہ کسی غلط رائے پر آپ کو استقرار و قیام نہیں ہو سکتا اس لیئے لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ آپ کا عمل یا حکم عین منشاء خداوندی کے مطابق تھا اور اس کو وحی حکمی یا وحی باطنی کہتے ہیں۔

معاملات دنیوی میں بالاتفاق مشورہ جائز ہے۔ معاملات دنیوی سے ہماری غرض اس قسم کے معاملات ہیں جن سے کوئی حکم شریعت متعلق نہیں ہوتا جس کی نسبت آپ نے ارشاد فرمایا ہے انتم اعلم بامور دنیاکم مثلاً تابیر نخل کا قصہ معاملات دینی جن میں وحی نازل ہو گئی۔ ان میں مشورہ کی ضرورت و حاجات نہیں۔ اور نہ آپ ایسے معاملات

ہیں اغراض مذکورہ میں سے کسی غرض کے لئے مشورہ فرماتے تھے۔ بلکہ صرف اشارہ وحی پر عمل فرمانا آپ کے ذمہ ضروری تھا۔ اور جن میں وحی نازل نہیں ہوئی ان کے اندر علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ کو ایسے معاملات میں بھی بغرض تعین حکم ورائے مشورہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ وحی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور اکثر کا مذہب یہ ہے کہ ایسے معاملات میں مشورہ کی اجازت تھی۔ بعد مشورہ جو رائے قرار پائے اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ گو آخر تک وحی آئی یا نہ آئی۔

مشورہ کے بارے میں یہ اختلاف مبنی ہے ایک دوسرے اختلاف پر جس کو اس جگہ بقدر ضرورت بیان کر دینے کی ضرورت ہے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد و قیاس سے کام لینا جائز ہے یا نہیں یعنی جس طرح امت کے اہل اجتہاد کو کسی ایسے معاملہ میں جس کے اندر شارع کی نص موجود نہ ہو اجتہاد و قیاس کی اوس وقت استنباط جائز بلکہ واجب ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی جائز تھا یا نہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ اجتہاد و قیاس کی اوس وقت اجازت ہوتی ہے جب کسی طریقہ منصوصہ سے حکم معلوم نہ ہو سکے۔ ائمہ مجتہدین و اہل رائے کو جب نص کی جانب سے مایوسی ہے تو اب ان کے لئے کونسا طریقہ استنباط حکم کا سواء قیاس و اجتہاد کے باقی رہا۔

اور جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ہر ایک امر کا

حکم معلوم ہو سکتا ہے تو قیاس و اجتہاد کی کیا حاجت ہے۔ جمہور امت کا مذہب یہ ہے اور یہی صحیح اور باعتبار دلائل کے قوی اور مطابق واقعات مروریہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایسے معاملات میں جن کے بارے میں وحی نازل نہ ہوئی قیاس و اجتہاد درست تھا۔ اور بعد قیاس و اجتہاد جو امر قائم فرماتے اور اس کے خلاف وحی نازل نہ ہوتی یہ بھی وحی میں داخل سمجھا جاتا تھا اور اسی کا نام وحی باطنی و وحی حکمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے اس تمام بیان کا کہ معاملات دنیوی میں باتفاق جملہ علماء مشورہ جائز۔ البتہ کسی اور بناء پر صحابہ سے استفسار کر لیا جائے تو ممکن اور جن معاملات میں وحی نازل نہیں ہوئی ان کے اندر بغرض تعیین حکم بہ تقویت و اعانت رائے مشورہ لینا ان لوگوں کے نزدیک ناجائز ہے جو آپ کے لیے قیاس و اجتہاد کو ناجائز کہتے ہیں اور جو لوگ جائز کہتے ہیں ان کے نزدیک مشورہ بمعنی مذکور درست و جائز۔

جو لوگ آپ کے لئے اجتہاد و قیاس کو جائز نہیں جانتے وہ بطریق اولی مشورہ کو بدیں معنی کہ اس کے ذریعہ سے کوئی حکم شرعی قائم کیا جا سکے بطریق اولی جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن چونکہ روایات و احادیث سے بکثرت آپ کا صحابہ سے مشورہ کرنا ثابت ہے اس لئے نفس مشورہ سے تو انکار نہیں کر سکتے لیکن یہ کہتے ہیں کہ آپ کا مشورہ کرنا امت کی تعلیم اور تطییب قلوب کے لئے تھا۔

لیکن ابھی یہ بیان کرنا باقی ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک آپ کے لئے

قیاس واجتہاد ناجائز ہے اور اسی بنا پر مشورہ کو بغرض تعیین وتحصیل حکم ناجائز کہتے ہیں ان کے نزدیک حکم و شاورھم فی الامر میں کل دو احتمال ہیں تعلیم امت کیلئے ہو یا تطییب قلوب مومنین کے لئے تیسرا احتمال نہیں ہے۔ لیکن جمہور امت کے قول کے مطابق جبکہ آپ کے لئے مشورہ بغرض تعیین وتحصیل جائز ہوا تو اس آیت میں تین احتمال ہوں گے جب یہ تفصیل معلوم ہوگئی اب سنیئے کہ مشورہ کا حکم کے بارے میں یہ اختلاف کہ مشورہ کا حکم بغرض تحصیل مقصود تھا جیسا کہ احتمال اول میں بیان کیا گیا ہے۔ یا تعلیم امت وتطییب قلوب مومنین کے لئے تھا جیسا کہ احتمال ثانی وثالث کا حاصل ہے۔ حقیقی اختلاف نہیں بلکہ عنوان وتعبیر کا اختلاف ہے جو لوگ مشورہ کو بغرض تعلیم امت وتطییب قلوب فرماتے ہیں۔ وہ بھی اس سے انکار نہیں کر سکے۔ کہ بہت سے مواقع میں آپ نے صحابہ سے مشورہ فرما کر اسی پر عمل فرمایا۔ ان کی غرض صرف یہ ہے کہ مشورہ بے شک حقیقی مقصود کی تحصیل کے لئے مشروع ہوا۔ روایات سے یہ امر ثابت مگر اس کے مشروع ہونے کی علت ہے۔ آپ بوجہ نزول وحی مشورہ سے مستغنی تھے۔ پھر اس طریق کو چھوڑ کر مشورہ کا حکم کیوں دیا گیا۔ اس کی علت بعض کے نزدیک تعلیم امت ہے یا تطییب قلوب۔ لیکن ان دونوں میں تنافی نہیں۔ بلکہ حکم مشورہ کی دونوں علتیں ہو سکتی ہیں ہمارے مذکورہ بالا بیان سے اس امر کا فیصلہ تو ہو گیا۔ کہ مشورہ کی مشروعیت اس کی اصلی غرض دریافت کے لئے ہے جو عموماً متعارف

ومعمول ہے ۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور دینیہ میں جیسا کہ درصورت عدم نزول وحی اجتہاد و قیاس جائز تھا ایسا ہی مشورہ جائز تھا اور یہ بھی کہ مشروعیت مشورہ کی علتہ و غرض میں جو اختلاف ہے حقیقی اختلاف نہیں ہے ۔ بلکہ عنوان و تعبیر کا اختلاف ہے ۔

لیکن ابھی ایک امر تنقیح طلب باقی رہ گیا ہے کہ مشورہ کو اس کی غرض و غایت ماننے اور امور دینیہ میں آپ کے لئے جائز سمجھنے کے بعد ... بھی ... مشورہ کا حکم تمام امور دینیہ کو شامل تھا یا صرف جنگ و معرکہائے قتال تک یہ حکم محدود تھا کلبی اور ان کے ہم خیال علماء یہ فرماتے ہیں کہ مشورہ کا حکم مخصوص تھا معرکوں اور حرب کی تدابیر کے لئے لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حکم مشورہ تمام امور دینیہ کو عامل و شامل تھا لڑائیوں اور معرکوں کی تخصیص نہیں تھی ۔

کلبی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور خاص جنگ احد میں آپ نے صحابہ سے مشورہ لیا تھا کہ مدینہ میں ہی رہ کر مدافعت کرنا بہتر ہے یا باہر نکل کر مقابلہ کرنا۔ آپ کی رائے کا میلان خود اس جانب تھا کہ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کریں لیکن اکثر صحابہ کی جوش ایمانی کا تقاضہ یہ تھا کہ پیش قدمی کر کے مقابلہ کیا جائے عبداللہ ابن ابی منافق کی رائے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق تھی ۔ وہ کہتا تھا کہ مدینہ میں رہ کر ہم کسی دشمن سے مغلوب نہیں

ہوئے اور نہ کسی کو آجتک ہم پر دسترس ہوا ہے۔ مگر غلبہ رائے کی وجہ سے آپ نے اکثر کی رائے کو قبول کیا، زرہ اور خود پہن کر تشریف لائے تو اب صحابہ کو ندامت ہوئی کہ ہم نے آپ کے خلاف ایک رائے پر اصرار کیوں کیا۔ اور عرض کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی رائے وہی ہے جو آپ کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اب کچھ ہو نہیں سکتا۔ نبی کہ یہ شان نہیں ہے کہ ہتھیار لگانے کے بعد بلا مقابلہ اتار دے آپ معہ مجاہدین روانہ ہو گئے اور احد پر کفار مکہ سے مقابلہ ہو گیا۔ اس معرکہ میں گو انجام کار مسلمانوں کو غلبہ ہوا مگر کئی طرح کا سخت نقصان اٹھانے کے بعد اول نقصان تو یہ پہنچ گیا۔ کہ عبداللہ بن ابی معہ اپنی کثیر جماعت کے یہ کہہ کر واپس ہو گیا۔

اطاعھم وعصانی | اوروں کا کہنا مانا اور میری بات سنی

اگرچہ منافقوں کا آپ سے جدا ہونا۔ حقیقت میں نقصان نہ تھا بلکہ نفع تھا کیونکہ یہ لوگ شوق و رغبت سے ساتھ نہ تھے۔ اگر عین معرکہ قتال میں دھوکہ دے جاتے تو زیادہ نقصان ہوتا پھر ان سے کسی قسم کی جدوجہد کی بھی توقع نہ تھی۔ تھی تو اس بات کی کہ مسلمانوں کو اپنی طعن آمیز باتوں سے جیسا کہ ہمیشہ کیا کرتے تھے بد دل اور شکستہ خاطر کریں۔ ایک ناپاک جماعت سے لشکر اسلام کا پاک وصاف رہنا ہی اچھا تھا۔ مگر چونکہ اس وقت تک حکمت الٰہی کا مقتضا یہ بھی تھا کہ منافقوں کو بھی ساتھ لگائے رکھا جائے۔ اس لئے ایک جماعت کثیر کا علیحدہ ہو جانا اول تو شوکت میں نقصان ڈالنے والا تھا۔

دوسرے پختہ کاروں کے پست ہمت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کو عین معرکہ کے وقت ہزیمت ہوئی۔ یہانتک کہ بعض نے مدینہ میں آکر دم لیا۔ اور ایک شخص نے یہ خبر پہنچا دی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو گئے ہیں۔ بعض ان میں سے اپنے گھر گئے تو عورتوں نے طعن وتشنیع شروع کر دیئے۔ کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے آئے۔ تم اس قابل ہو کہ چرخہ سنبھال کر عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھو۔

اس ہزیمت کے وقت کفار کو غلبہ کی صورت حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کے ستر چیدہ بہادر وشہسوار حضرت حمزہ جیسے شہید ہو گئے۔ یہ نقصان حقیقت میں بچند وجوہ ایسا تھا کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی ان کو اٹھانا نہیں پڑا۔

تیسرا نقصان یہ پہنچا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم آئے آپ کا دندان مبارک شہید ہوا۔ مسلمانوں کے لئے اس نقصان سے بڑھ کر اور کوئی نقصان نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کو اپنی جان سے مال سے عزت و آبرو سے زن و بچہ سے گھر اور جائداد سے سب سے زیادہ پیاری ومحبوب حضور انور کی ذات تھی۔ ان کا شغف آپ سے تھا و رجہ بڑھا ہوا تھا کہ ایک عورت کو جب اس کے باپ بھائی وغیرہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ اور جب یہ سنا کہ آپ زندہ ہیں۔ تو اس نے کہا آپ زندہ ہیں تو ساری

مصیبتیں آسان ہیں۔ اور یہ سب نقصانات اس غلط رائے کا نتیجہ تھے اور اب خود صحابہ کو بھی یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ہم اس قابل نہیں رہے کہ ہم سے ان معاملات میں مشورہ کیا جائے۔ اس خیال کے دفعیہ کے لئے یہ آیۃ نازل ہوئی کہ اول تو ان کے قصور معاف کرنے اور ان کے لئے استغفار کا حکم ہوا اور پھر ارشاد ہوا کہ ان سے مشورہ کرتے رہو۔

آیۃ کا شانِ نزول اور ترتیب بیان صاف بتلا رہے ہیں کہ شاورھم فی الامر میں امر سے امر حرب مراد ہے۔ الف لام استغراق کا نہیں کہ تمام امور حرب و غیر حرب میں مشورہ کیا کیجیئے۔ بلکہ یہ الف لام عہد خارجی کا ہے یعنی خاص لڑائی کے معاملات میں جس کا تذکرہ پہلے سے ہے مشورہ کیجیئے۔ غلطی رائے اور قصور کی وجہ سے وہ ایسے نہیں ہو گئے کہ ان سے مشورہ نہ کیا جائے۔

جمہور کہتے ہیں ہم مان لیتے ہیں کہ یہ آیۃ خاص جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئی۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مشورہ کا حکم خاص امور متعلقہ جنگ و قتال کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔

اول تو اس وجہ سے کہ شان نزول کے خاص ہونے سے حکم کا خاص ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہت سی آیتیں کسی خاص واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں۔ مگر حکم عام نہیں۔ اس قاعدہ سے یہاں بھی لفظ الامر تمام ان امور کو شامل ہے جن میں وحی نازل نہیں ہوئی۔ خواہ امور متعلقہ قتال میں ہو یا امور دنیبیہ میں۔

دوسرے اس وجہ سے کہ صحابہ سے مشورہ کرنے کا طریقہ نزول آیۃ سے پہلے بھی جاری تھا۔ اور اس میں کوئی تخصیص کسی قسم کے معاملات کی نہ تھی۔ اس آیۃ سے جواز مشورہ کی ابتداء نہیں ہوئی۔ پس اگر ہم یہ مان لیں کہ شاورھم فی الامر میں خاص قسم متعلقہ تدابیر حرب مراد ہیں اور انھیں کے بارہ میں اجازت حکم ہے تو زیادہ سے زیادہ ہوگا کہ واقعہ مذکورہ میں صحابہ سے چند غلطیاں سرزد ہو جانے سے جو یہ خلجان ہو سکتا تھا کہ اب آیندہ وہ مشورہ کا طریقہ نہیں رہے اس خلجان کو رفع فرما دیا۔ یہ کہاں سے مفہوم ہوا کہ مشورہ کا طریقہ جو پہلے سے جاری اور معاملات کی نوعیت کے ساتھ مخصوص نہ تھا اس میں بھی اس آیۃ سے تخصیص ہو گئی۔

تیسرے اس وجہ سے کہ ہم کو بہت سے ایسے معاملات دینیہ کا ثبوت ملتا ہے جن میں آپ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا اور ان کو تدابیر متعلقہ قتال سے تعلق نہیں ہے۔

مثلاً بدر کی لڑائی سے فراغت ہو چکی تو آپ نے اسیران جنگ بدر کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ ان کو معاوضہ لے کر رہا کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔

یا مثلاً اذان کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے۔

قال کان المسلمون حین قدموا	ابن عمر فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان جب مدینہ

المدینۃ یجتمعون فیتحینون للصلوٰۃ ولیس ینادی بہا احد فتکلموا یومًا فی ذلک فقال بعضھم اتخذوا مثل ناقوس[1] النصاری وقال بعضھم قرنا[2] مثل قرن الیھود فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰۃ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یا بلال قم فناد بالصلوٰۃ۔
(مشکوٰۃ صـ۵٦)

آئے تو اٹکل کرکے نماز کے لئے جمع ہونے تھے۔ کوئی ان کو وقت کی اطلاع نہ کرتا تھا۔ ایک روز اس کی گفتگو ہوئی بعض نے کہا کہ نصاریٰ کی طرح ناقوس بنا لیا جائے۔ بعض نے کہا یہود کی طرح قرن حضرت عمر نے کہا ایسا کیوں نہیں کرتے کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر پکار دیا کرے۔ یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز کے لئے آواز دے دو۔

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہے کہ نماز کی اطلاع دینے کے لئے مشورہ ہوا۔ صحابہ نے اپنی اپنی رائے بیان کی اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول فرما کر نماز کے لئے پکارنے اور اطلاع دینے کا حکم دیا۔ اور اس طرح انجام کار اذان جاری ہو گئی۔

قصہ مشورہ در بارہ اساریٰ بدر میں کوئی اگر یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ مشورہ بھی منجملہ امور متعلقہ حروب تھا اگرچہ ایسا کہنا ہرگز قابل

[1] دو لکڑیاں ہوتی تھیں ایک چھوٹی ایک بڑی چھوٹی کو بڑی پر مارتے تھے جس سے آواز نکلتی تھی ۱۲
[2] مونہہ سے بجانے کا آلہ مثل سنکھ وغیرہ کے ۱۲۔

تسلیم نہیں ہے، تو مشورہ متعلقہ اذان میں اس کی کچھ بھی کسی طرح گنجائش نہیں ہے اذان محض امر دینی ہے۔ اس کو قتل و قتال جنگ و جدل سے فی الحال یا انجام کار کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

ان دونوں واقعوں کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات کا ثبوت ملتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور دینیہ میں جس کا حرب سے تعلق نہیں۔ مشورہ کیا گیا۔ مگر اب ان کی نقل کی حاجت نہیں رہی اور جب ایسے امور دینیہ میں آپ کا مشورہ ثابت ہے تو حکم مشورہ کو امور جنگ کے ساتھ مخصوص کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بے شک جمہور کی رائے صحیح ہے۔ مشورہ کا حکم تمام امور دینیہ کو عام و شامل ہے۔ ہرگز امور متعلقہ تدابیر جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں غالباً کلبی وغیرہ کا مطلب بھی یہ نہ ہوگا کہ امور جنگ کے علاوہ اور امور دینیہ میں مشورہ آپ کو جائز نہ تھا۔ وہ صحیح اور مسلّم واقعات سے کیونکر انکار کر سکتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت خاص امور حرب کے متعلق نازل ہوئی ہے یعنی یہ خیال کر کے کہ ان سے امور میں غلطیاں سرزد ہوئیں ان سے مشورہ ترک نہ کریں۔ اگر ان کا یہی مطلب لیا جائے تو حقیقت میں کچھ اختلاف باقی نہ رہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مبحث ثانی۔ خداوند عالم جل مجدہٗ نے اول تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ کا حکم فرمایا اور پھر

ارشاد فرمایا۔

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ | پھر جب عزم مصمم کر چکو تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو

اس ارشاد میں مشورہ کی حقیقت اس کے نتیجہ اور اسلامی اصول کی ایسی صحیح تعلیم بیان فرمائی گئی ہے کہ اس کے بعد کسی مغالطہ اور غلط فہمی۔ کجروی اور غلط اصول قائم کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

اول تو یہ کہ مشورہ میں اختلاف رائے ہوتا ہے۔ اگر اختلاف رائے میں پڑ کر کسی ایک جانب کو متعین نہ کر لیا جائے۔ اور عزم مصمم قائم نہ ہو تو مشورہ بجائے مفید ہونے کے نہایت مضر اور مہلک ہو جاتا ہے۔ تردد میں پڑ کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ صحابہ سے مشورہ کیجئے۔ لیکن کسی ایک پر قائم ہو کر اس کے اجراء و امزار کا عزم مصمم کر لینا چاہیئے۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ اختلاف رائے اور کثرہ رائے کی وجہ سے نفس معاملہ تعویق و تردد میں پڑ جائے۔ اور یہ حقیقت میں امت کو تعلیم ہے مسلمانوں کے لئے مشورہ کا عام قاعدہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے کہ عقلاء زمانہ بھی اس اصول کو ترک کر کے کبھی مدعا میں کامیاب نہیں ہو سکتے خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ جیسا فی حد ذاتہ محمود اور موجب فلاح ہے ایسے ہی مشورہ کے بعد ایک جانب متعین کر کے عزم مصمم کر لینا بھی واجب و لازم ہے۔

دوئم یہ کہ مشورہ کرنا عقلاء کی رائے پر اعتماد کرنا اور اس

پر کار بند ہونا منجملہ اسباب ظاہرہ کے قوی سبب کامیابی و مدعا بر آری کا ہے اور اس سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ مشورہ پر اعتماد کر کے کام کر لینا چاہیئے۔ لیکن اسلامی تعلیم معتدل ہے۔ افراط و تفریط کا اس میں شائبہ نہیں ہے۔ اسلام نے ہم کو تعلیم دی ہے کہ ہم اسباب سے کام لیں۔ اور پھر اسباب کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ حقیقی فاعل قادر مطلق و با اختیار کو سمجھیں۔ اس تعلیم کو ذہن نشین کرنے کے لئے اول تو یہ ارشاد ہوا کہ آپ اسباب کو بالکل ترک نہ کریں۔ صحابہ سے مشورہ کریں۔ لیکن اسباب پر اعتماد بھی نہ کریں۔ بلکہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور کام شروع کریں۔ یہ وہ اسلامی صحیح تعلیم ہے جس پر مسلمانوں کو ناز ہے۔ اور جس کا مقابلہ کوئی قوم اور کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں نے اسباب ظاہرہ پر اس قدر اعتماد کیا کہ خداوند تعالیٰ کو بھول گئے۔ اسباب ہی کو منجی اور مؤثر سمجھنے لگے۔ انھوں نے حقیقتاً بندگی کا رشتہ توڑ دیا۔ اور جنھوں نے اسباب کو بے کار محض سمجھا انھوں نے خداوند عالم کی حکمت کو نہ سمجھا اسلام نے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا۔

اس ارشاد سے ہم کو توکل کی حقیقت بھی سمجھ میں آ گئی۔ توکل کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام میں ہر تدبیر میں فقط خدا تعالیٰ کو مؤثر اور فاعل سمجھے۔ کسی سبب یا تدبیر پر اعتماد نہ کریں۔ اس کو حقیقی مؤثر اور خداوند عالم سے مستغنی نہ سمجھے۔ یہ مرتبہ اگر اس درجہ یقین

واذعاں کو پہنچ گیا کہ اس کا حال بیان گیا ہے ۔ اس کے قلب میں اسباب کی طرف دھیان ہی نہیں ہے بلکہ مسبب الاسباب کی طرف ہے تو یہ درجہ توکل کامل کا ہے جو اہل معرفت و ارباب یقین کو حاصل ہوتا ہے ۔ اور اگر فقط علم واذعاں اور اعتقاد تو ہے مگر حال نہیں ہے تو نیچے کا درجہ ہے جس کے بغیر آدمی مومن کامل نہیں ہوتا نجات کے لئے یہ بھی کافی ہے ۔

توکل کی بحث اس کے مدارج کی تفصیل و تحقیق متوکلین کے مدارج اور حالات اس سے زیادہ تفصیل کو چاہتے ہیں ۔ مگر ہم اس جگہ اس سے زیادہ لکھنا نہیں چاہیئے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ کبھی اس پر مستقل لکھیں گے ۔

آیت کے متعلق اور بھی لطیف بحثیں تھیں ۔ لیکن اس رسالہ میں ان کی گنجائش نہ تھی ۔ اس لئے فقط دو ہی ضروری مباحث پر اکتفا کیا ۔

نص دویم

والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوٰۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقناھم ینفقون ۔

ایمان والے وہ ہیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا ۔ نماز کو قائم کیا ۔ اور ان کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے ۔ اس سے خرچ کرتے ہیں ۔

اس آیت اور اس کی پہلی آیتوں میں مومنین کی مدح اور ان کے اوصاف خاص بیان کیے گئے ہیں۔ اور منجملہ اوصاف خاصہ اور علامات مختصہ مومنین کاملین کے یہ بھی کہ وہ اپنے معاملات کو باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔ مستقل ہو کر خود رائے بن کر نہیں کرتے۔ اس آیت میں چار وصف بیان کئے گئے اول اپنے رب کی اطاعت اس کے احکام کی تسلیم۔ دوسرے نماز کا قائم کرنا۔ تیسری اپنے معاملات کو باہمی مشاورۃ سے طے کرنا۔ چوتھے خدا کے دیئے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔

اس ترتیب بیان میں اوّل تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے جو حقیقت میں اصل اصول اور تمام عبادت کے لئے شرط اوّل ہے۔ اس کے بعد اقامتہ صلوٰۃ ہے جو تمام عبادات مالی و بدنی کی اصل اصول ہے اور ایمان و کفر کی مابہ الفرق ہے۔ اس کے بعد مشاورۃ ہے۔ اور آخر میں فی سبیل اللہ خرچ کرنا اللہ کی راہ میں صرف کرنا۔ فرض و نفل دونوں کو شامل ہے اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ مشورہ فرض نہیں ہے بلکہ مندوب و مستحب و سنتہ کے درجہ میں ہے تو یہ ترتیب موجب خلجان معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت میں کچھ خلجان نہیں ہے۔

مشورہ ایک مہتم بالشان امر ہے۔ عالم کی فلاح و فساد میں اس کو بڑا دخل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اذا[1] کان امراء کم خیارکم — جب تمہارے حاکم و امیر تم میں کے بہتر و منتخب

---

[1] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۵۳

واغنیاءکم اسخیاءکم	لوگوں میں سے ہوں۔ تمہارے مالدار سخی
وامرکم شوری بینکم	ہوں۔ تمہارے کام باہمی مشاورۃ سے
فظھرالارض خیرلکم	طے ہوتے ہوں تو زمین پر رہنا۔ اس
من بطنھا واذا کان	کے اندر دفن ہونے سے بہتر ہے اور
امراءکم شرارکم و	جب معاملہ برعکس ہوجائے۔ امرابدترین
اغنیاءکم بخلاءکم و	اور شریر ہوں۔ مالدار کنجوس وبخیل
امورکم الی نساءکم	ہوں۔ عورتوں کے ہاتھ میں تمہاری
فبطن الارض خیرلکم	باگ ہو تو دفن ہوجانا زمین پر زندہ
من ظھرھا۔	رہنے سے بہتر ہے۔

اس حدیث میں خصوصیت سے ان امور کو بیان کیا گیا ہے جس کو عام کی اصلاح وفساد سے بہت کچھ تعلق ہے گویا مدار اصلاح وفساد غالباً ان امور پر ہے۔ امرا سے عام مخلوق کا تعلق ہوتا ہے۔ مالداروں کی طرف فقراء کو حاجت پڑتی ہے۔ ایسے ہی مشورہ بھی عام احتیاج کی چیز ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر معاملات میں باہمی مشاورۃ سے کام نہ لیا جائے۔ بلکہ خود رائے یا کم عقلوں کے اقتدار سے معاملات طے کیے جائیں تو عالم میں فساد پھوٹ پڑے۔ زندگی تلخ ہو جائے زندہ رہ کر مبتلاء مصائب وقلق ہونے سے مرنا بدرجہا بہتر ہوجائے۔

اور جب کہ عالم کی صلاحیت وفساد مشورہ وعدم مشورہ سے

ہے۔ تو مناسب یہ معلوم ہوتا تھا کہ مثل اور عبادات مشورہ بھی فرض ہوتا مگر خداوند عالم نے اس میں بھی مصالح عباد کو ملحوظ رکھ کر مشورہ کو ان پر فرض نہیں فرمایا۔ مگر مشورہ کے استحسان اور اس کے مہتم بالشان ہونے کو ایسے انداز سے فرمایا کہ کسی مومن صاحب عقل سلیم کو اس سے انحراف کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

اول تو مومنین کی مدح کے موقع پر ان کے اوصاف خاصہ کو شمار کرتے ہوئے مشاورۃ باہمی کو بھی بیان فرمایا۔ جس سے خود اس کی عظمت و شان معلوم ہوتی ہے پھر صلوٰۃ و زکوٰۃ اور مفروضہ عبادتوں کے درمیان میں رکھا۔ جس سے اول تو یہ معلوم ہو گیا کہ مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ وہ بھی فرض ہوتا۔ دوسرے زکوٰۃ و صدقات سے مقدم رکھا جس سے اور بھی اس کی عظمت و شان بڑھ گئی۔ نص اول سے اگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ کا حکم جو حقیقت میں امت کے لئے تعلیم ہے کہ جب باوجود مستغنی عن مشاورۃ ہونے کے بھی مشورہ کے لئے بھی مامور تھے تو دوسرے لوگ ضرور مامور ہوں گے۔ وہ کیسے اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ گویا اس آیۃ میں مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا۔ اور اس آیۃ کے اندر مقام مدح میں مومنین کے اوصاف میں سے مشاورۃ باہمی کو بیان فرمایا جس سے یہ نتیجہ نکال لینا سہل اور بدیہی امر ہے کہ مشورہ نص قرآنی ایک ضروری اور موجب اصلاح عالم امر ہے۔ اس سے کسی

کو انحراف و استغنا کی گنجائش نہیں ہے ۔ اس سے بڑھ کر تاکید اور تفہیم کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے ۔

روایات احادیث

نصوص قرآنی اور ان کے متعلق ضروری امور کے بیان سے فراغت پا کر اب ہم مشورہ کے متعلق روایات احادیث کو بیان کرنا چاہتے ہیں ۔

فیہ ھُدِی لارشد الامور

تو اس کو سب سے بہتر امر کی طرف ہدایت کی جاتی ہے ۔

بیہقی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً ۔

حدیث ثانی عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یارسول اللہ الامر ینزل بنا بعدک لم ینزل فیہ قرآن ولم یسمع منک فیہ شیٔ قال اجمعوا لہ العابد من امتی واجعلوہ بینکم شوریٰ ولا تقضوہ برای واحد ۔

خطیب فی رواۃ مالک

حضرت علی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد جو کوئی ایسا امر پیش آئے جس میں نہ قرآن نازل ہوا ۔ نہ آپ سے کچھ سنا تو اس میں کیا کیا جائے ۔ فرمایا میری امت کے دیندار لوگوں کو جمع کر کے اس امر کو مشورہ میں ڈال دو ۔ تنہا کسی ایک کی رائے پر فیصلہ نہ کرو ۔

حدیث سوم عن ابی ھریرۃ مرفوعاً استرشدوا العاقل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ دانشمند لوگوں سے طلب رشد

لہ در منثور ص۱۰ جلد سادس ۱۲ ۔

لہ در منثور ص۱۰ جلد سادس ۱۲

تو شدوا ولا تعصوہ فتندموا۔

خطیب فی رواۃ مالک۔

ومشورہ کرو تم کو سیدھی راہ کی ہدایت ہوگی۔ ان کی نافرمانی وخلاف مت کرو ورنہ نادم ہوگے۔

حدیث چہارم عن ابن عباسؓ قال لما نزلت وشاورھم فی الامر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما ان اللہ ورسولہ لغنیان عنہا ولکن جعلہا اللہ تعالیٰ رحمۃ لامتی فمن استشار منھم لم یعدم رشدا ومن ترکھا لم یعدم غیا بیہقی بسند حسن۔

(یہ حدیث پہلے نقل ہو چکی ہے)

ابن عباس فرماتے ہیں جب آیہ وشاورھم فی الامر نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا۔ سمجھ لو کہ خدا اور اور خدا کا رسول مشورہ سے مستغنی ہیں۔ رسول مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے مشورہ کو میری امت میں سے رحمۃ بنایا ہے۔ میری امت میں سے جو مشورہ کرتا رہے گا۔ رشد وہدایت اس کے ساتھ رہیں گے اور جو اس کو چھوڑ دے گا۔ کجروی اس کا ساتھ نہ چھوڑیگی، آہ یہ حدیث معہ ترجمہ پہلے لکھی گئی ہے،

حدیث پنجم۔ اذا کان امراءکم

حدیث ششم کتاب ادب الدنیا والدین صنہ۱۲ میں ہے۔

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال المشورۃ حصن من الندامۃ وامان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا قلعہ ہے اور لوگوں کی ملامت سے

من الملامۃ۔

امن ہے۔

حدیث ہفتم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من اراد امرا فشاور فیہ مسلما وفقہ اللہ لارشد الامور"

ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰

رسول اللہ صلی اللہ نے ارشاد فرمایا جو شخص کوئی کام کرنا چاہے اور اس نے اس بارہ میں کسی مسلمان سے مشورہ کر لیا تو خدا تعالیٰ اس کو سب سے بہتر بات کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

حدیث ہشتم روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال راس العقل بعد الایمان باللہ التودد الی الناس وما استغنی مستبد برأیہ وما ھلک احد عن مشورۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے بعد اعلیٰ درجہ کی معقول بات لوگوں سے محبت اور میل جول کے ساتھ رہنا ہے کوئی خود رائے شخص محض اپنی رائے پر بھروسہ کر کے کبھی دوسروں سے بے پرواہ نہیں ہوا۔ اور نہ مشورہ کے بعد کام کرنے والے کو ہلاکت میں پھنسنے کی نوبت آئی۔

حدیث نہم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقحوا عقولکم بالمذاکرۃ واستعینوا علی امورکم بالمشاورۃ۔

اپنے عقول کو مذاکرہ سے تجربہ کار بناؤ اور اپنے معاملات میں باہمی مشاورۃ سے امداد لو۔

احادیث مذکورہ بالا سے چند امور بوضاحت تمام ثابت ہو گئے اول

یہ کہ طریق رشد و صواب و ہدایت پر چلنے کے لئے مشورہ اصل اصول ہے مشورہ پر کاربند ہو کر جو کام کیا جاتا ہے اس میں خیریت و صلاحیت ہوتی ہے۔ رشد و ہدایت ساتھ دیتے ہیں۔ اور اگر مشورہ نہ کیا جائے تو کجی و گمراہی سے نجات ملنا مشکل ہے اس میں انجام کار ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔

دوئم یہ کہ جیسا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور دنیویہ میں خواہ وہ متعلق تدابیر حرب ہوں یا متعلقہ احکام مشورہ جائز تھا۔ ایسے ہی آپ کے بعد بھی جب کسی معاملہ میں نص کتاب و سنت موجود نہ ہو۔ مسلمانوں کے لئے مشورہ مشروع ہے۔

تیسرے یہ کہ جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے۔ ان میں اُن اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے۔ جن سے ان کے مشیر بننے کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ اور جو ان کو غلط رائے نہ دیں اور خیانت سے نہ رکیں۔

چوتھے یہ کہ بوجہ نزول وحی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ مستغنی تھے۔ مگر اس غرض کے لئے کہ امۃ اقتدا کرے آپ کے لئے مشورہ مشروع کیا گیا۔ اس چوتھے امر کو ہم پہلے وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔ تیسرے امر کی تشریح شرائط و آداب مشورہ میں تفصیل سے بیان ہو گی۔

اقوال صحابہؓ و سلف امۃ

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

نعم الموازرة المشاورة وبئس الاستعداد الاستبداد	باہمی مشاورۃ سے بوجھ کا تقسیم کرنا بہت خوب ہے اور بُری مستعدی ہے خود رائے ہونا۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

الرجال ثلاثة رجل ترد عليه الامور فيسددها برأيه ورجل يشاور فيما اشكل وينزل حيث يأمره اهل الرأي ورجل حائر بائر لا يأتمر رشدا ولا يطيع مرشدا۔	آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس پر معاملات پیش آئیں اور وہ اپنی رائے سے ان کی درستی و اصلاح کردے دوسرے وہ جو مشکلات میں اوروں سے مشورہ کے بعد اہل الرائے کی رائے کا اتباع کرتا ہے اور تیسرا حیران ہے نہ کسی سے بھلائی کا مشورہ لیتا ہے نہ کسی ہدایت کرنے والے کی اطاعت کرتا ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

الاستشارة عين الهداية وقد خاطر من استغنى برأيه	مشورہ حاصل کرنا عین ہدایت ہے۔ اور جو شخص اپنی رائے پر اعتماد کئے ہوئے اس نے خطرناک راہ اختیار کی۔

(۴) حضرت حسن بصری ارشاد فرماتے ہیں۔

ما تشاور قوم قط	جب کوئی قوم کسی معاملہ میں مشورہ

۱ تا ۴ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰

الا هدوا لا رشدهم ثم تلا وامرهم شوری بینهم	کرتی ہے تو ان کو بہترین بات کی ہدایت ہوتی ہے اس کی تاکید میں انھوں نے آیہ وامرھم شوری بینھم کی تلاوت فرمائی۔

(۵) حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انّ المشورة والمناظرة بابا رحمة ومفتاحا برکة لا یضل معهما رأی ولا یفقد معهما حزم	مشورہ اور مناظرہ دو دروازے ہیں رحمۃ کے اور دو کنجیاں ہیں برکت کی ان کے بعد رائے مخفی نہیں رہتی۔اور نہ حزم و احتیاط مفقود ہوتے ہیں

(۶) حضرت مالک امام نے اپنے ایک خط میں جو ہارون رشید کو لکھا ہے تحریر فرمایا۔

الزم الرای الحسن والهدی الحسن والاقتصاد بلغنی عن ابن عباس رضی اللہ عنهما انه قال الرای الحسن جزء من خمسة وعشرین جزأ من النبوة	میانہ روی کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیئے مجھے کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت پہنچی ہے وہ فرماتے تھے کہ اچھی رائے ایک جزء ہے نبوۃ کے پچیس اجزاء ہیں۔

اقوال عقلاء و بلغاء وارباب سیاستہ

اس موقعہ پر علاوہ اہل اسلام دوسرے عقلاء کے مقولے بھی نقل

لہ ادب الدنیا والدین صعہ ۱۲۱ ۱۲ ؎ روح المعانی جلد ۷ صہ ۲۵۳ ۱۲ ؎ ادب الدنیا ۱۲

کئے جائیں گے۔ (۱) خلیفہ منصور عباس نے اپنی بعض اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

خذ عنی ثنتین لا تقل فی غیر تفکیر ولا تعمل بغیر تدبیر۔	دو باتیں مجھ سے حاصل کر لے۔ بغیر سوچے زبان سے کچھ مت نکال اور بغیر تدبیر کے کام نہ کر۔

(۲) فضل کا منقولہ ہے۔

المشورة فیها برکة وانی لاستیشر حتی هذه الحبشیة الاعجمیة	مشورہ میں برکت ہے۔ میں مشورہ کرتا ہوں یہانتک کہ اس عجمی باندی سے!

(۳) بعض عقلاء کا مقولہ ہے۔

الرای السدید احمی من البطل الشدید۔	سیدھی اور سچی رائے سخت رائے دلیر اور بہادر سے زیادہ محافظ ہوتی ہے۔

(۴) ایک دانشمند اعرابی کا قول ہے۔

لا مال اوفر من العقل ولا فقر اعظم من الجهل ولا ظهر اقوی من المشورة۔	کوئی مال عقل سے کثیر اور وافر نہیں۔ جہل سے بڑھ کر کوئی فقر و محتاجی نہیں کوئی سواری مشورہ سے زیادہ قوی نہیں ہے۔

(۵) بعض بزرگوں کا قول ہے۔

لہ، کہ، سہ مستطرف جلد اول صفحہ ۶۲

من بدء بالاستخارة وثنى بالاستشارة فحقيق ان لا يخيب رايه۔	جو شخص اپنے کام کے لئے اول استخارہ کرے اور بعد میں مشورہ کرے تو وہ اس امر کا مستحق ہے کہ اس کی رائے غیر کامیاب نہ ہو۔

(۶) عبد الحمید کا قول ہے۔

المشاورة في رايه ناظر من ورائه	اپنے معاملہ میں مشورہ کرنے والا ایسا ہے جیسا اپنی پست کی چیز دیکھنے والا

(۷) بعض بلغاء کا قول ہے۔

حق العاقل ان يضيف الى رايه رأى العقلاء۔	عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ عقلاء کی رائے کو ملا لیوے۔

(۸) حسنؓ کا منقولہ ہے۔

الناس ثلاثة فرجل رجل ورجل نصف رجل ورجل لارجل فاما الرجل الرجل فذوالرای والمشورة واما الرجل الذی له رای ولا يشاور واما الرجل	آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پورا آدمی ہے۔ دوسرا وہ جو آدھا ہے۔ تیسرا وہ جو کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ شخص جس کو مرد کامل کہنا چاہیئے وہ ہے جو خود صاحب رائے ہے اور مشورہ بھی کرتا ہے اور وہ جس کو نصف آدمی کہنا چاہیئے۔ وہ شخص ہے جو خود تو

لہ، ٹہ مستطرف جلد اول صـ۶۰ ۱۲ تہ، ٹہ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰ ۵ہ مستطرف جلد اول صـ۲۸

الذی لیس برجل فالذی لیس لہ رای ولا یشادی	ذی رائے اور صاحب عقل و ہوش ہے مگر مشورہ نہیں کرتا اور جو بالکل ہی آدمی نہیں وہ وہ ہے جو نہ خود ذی رائے ہے اور نہ دوسروں سے مشورہ کرتا ہے۔

حسن کے اس مقولہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد میں جس کو ابھی نقل کر چکے ہیں۔ اختلاف ظاہر ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو مرد کامل اس کو قرار دیا ہے جو معاملات کی تدبیر د اصلاح اپنی رائے سے کر سکے۔ دوسروں کی مشورں کا خواہ مخواہ محتاج نہ ہو۔ اور حسن مرد کامل اس شخص کو کہتا ہے جو باوجود رائے ذی و تدبیر ہونے کے دوسروں سے مشورہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے درجہ کا آدمی اس کو فرماتے ہیں جو مشکلات میں مشورہ کے بعد کام کرے۔ اس میں دونوں صورتیں داخل ہیں خود بھی ذی رائے ہو اور مشورہ بھی کرے اور خود ذی رائے نہ ہو مگر مشورہ کرے۔ حالانکہ حسن صورت اول کو یعنی ذی رائے بھی ہو اور مشورہ بھی کرے مرد کامل کی صورت کہتے ہیں۔ یہ اختلاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر کے ارشاد سے تو چار صورتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

۱۔ فقط اپنی رائے و تدبیر سے حل معاملات کرے۔

۲۔ صاحب رائے ہو اور مشورہ بھی کرے۔

۳ ۔ صاحب رائے نہ ہو مگر مشورہ کرے ۔
۴ ۔ نہ صاحب رائے ہے اور نہ مشورہ کرتا ہے اور نہ مشیر کی اطاعت کرتا ہے اور حسن کے قول میں صرف پہلے دوسری اور چوتھی صورت سے بحث کی گئی ہے ۔

تیسری صورت سے یعنی ذی رائے نہ ہو مگر مشورہ کرے بحث نہیں کی حالانکہ جب اس نے اس احتمال کو لے کر کہ نہ خود صاحب رائے ہو اور نہ مشورہ کرے ایسے شخص کو آدمیت کے درجہ سے بالکل خارج کر دیا ہے تو اس شخص کا بھی جو ذی رائے تو نہیں مگر مشورہ کے بعد کام کرتا ہے درجہ ضرور قائم کرنا چاہیئے تھا ۔

اختلاف اول کو دیکھا جاتا ہے تو عقل کی رو سے حسن کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے مگر حضرت عمر کی جلالت شان و انتہائی تدبیر اور سیاست کی طرف نظر اٹھائی جاتی ہے تو حسن کا قول اس کے معاملہ میں قابل تسلیم معلوم نہیں ہوتا ۔ لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں ہے حسن جن تینوں درجوں سے بحث کرتے ہیں ۔ حضرت عمر نے اس سے اوپر بھی ایک درجہ قائم کیا ہے ۔ حسن کی مراد تو صاحب رائے سے وہی شخص ہے جس کو عقل و تدبیر ظاہری سے پورا حصہ ملا ہو ۔ لیکن حضرت عمر کی نظر اس سے عالی درجہ پر ہے ۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو عقل عطا فرما کر نیک و بد کی تمیز پر قادر کر دیا ہے اتنی بات میں مومن و کافر مسلم و غیر مسلم سب شریک ہیں ۔ عقل جو

فطرتاً انسانی ترکیب کا جزو اعلیٰ ہے۔ اس کو تجربہ سے ترقی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے عاقل غیر مجرب سے عاقل مجرب کا درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن عقل کی ترقی جیسی تجربہ اور ممارستہ سے ہوتی ہے اور اس حصہ میں بھی انسان کے سب افراد شریک ہیں۔ اسی طرح عقل کی تائید اور تقویت خدا کے نور و ہدایت سے ہوتی ہے جس کو فراست ایمانی سے تعبیر کیا جاتا ہے عقل کے ساتھ جب فراست ایمانی بھی مل جاتی ہے تو اس کا درجہ ہزاروں مشوروں اور تجربوں سے فائق تر ہو جاتا ہے ہزار دانشمند مل کر بھی کبھی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے لیکن ایک مومن فراست ایمانی کی بدولت صحیح نتیجہ تک بے تامل پہنچ جاتا ہے اور اس وقت اس کے لئے لازمی نہیں ہوتا کہ مشیروں کی جماعت کا اگرچہ کتنی ہی بڑی تعداد ہیں اور کیسے ہی تجربہ کیوں نہ ہو اتباع کرے۔ بلکہ اصحاب رائے و تجربہ کو مومن کی فراست ایمانی کا اتباع کرنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہوا ہے۔

اتقوا فراسة المومن	مومن کی فراست سے ڈرنا چاہیئے۔
فانه ینظر بنور الله۔	کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔

یعنی مومن اگرچہ فراست ایمانی سے کوئی بات کہے اس کو یوں ہی نہ سمجھے وہ جو کچھ کہتا ہے نور خداوندی کی ہدایت سے کہتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتب میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص کی نظر راستہ میں اجنبی عورت پر شہوت سے پڑ گئی اس کے بعد داخل ہوا تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ بعض شخص مسجد میں داخل

ہوتے ہیں اور آثار زنا ان کے چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیرالمومنین کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی آتی ہے۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ وحی نہیں بلکہ فراست مومن ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کا یہ فرمانا قیافہ یا آنکھوں کے آثار پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ آپ کو بذریعہ فراست، زنا کے آثار کا احساس ہوا اور اسی وجہ سے اس قدر یقین کے ساتھ فرمایا۔ اگر محض رائے و قیاس ہوتے تو کبھی آپ ایسا حکم نہ لگاتے۔ کیونکہ نہ مومن کو محض رائے سے متہم کرنا بھی منع ہے۔

لیکن اس سے یہ نہ کوئی سمجھے کہ صاحب فراست ایمانی کو مشورہ لینا منع ہے یا وہ مشورہ سے بالکل مستغنی ہے۔ کیونکہ خود صاحب وحی کو۔ گو کسی مصلحت پر مبنی ہو۔ مشورہ کا حکم ہے۔ اور صاحب فراست ایمانی جب اس درجہ کا نہیں ہے تو ان کے لیے نہ مشورہ ممنوع ہے اور نہ ایسا مستغنی البتہ بسا اوقات اس کو حاجت نہیں ہوتی۔

پس جہاں تک ہم نے غور کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا منشا یہ ہے اور یہ درجہ حسن کے پیش نظر نہیں ہے جو محض ایک صاحب تدبیر و سیاست وزیر ہے۔

رہا دوسرا اختلاف سو وہ قابل التفات و خیال نہیں ہے۔ کیونکہ احتمال کل چار ہیں۔

۱۔ صاحب رائے ہو اور مشورہ بھی کرے۔

۲- صاحب رائے ہو اور مشورہ نہ کرے۔

۳- صاحب رائے نہ ہو اور مشورہ کرے۔

۴- نہ صاحب رائے ہو اور نہ مشورہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چار کے علاوہ ایک درجہ فراست ایمانی والے کا قایم فرمایا جس کو اول صورت میں بیان فرمایا ہے۔ اور ان چاروں میں سے صرف دو صورتیں بیان فرمائی ہیں اور باقی دو کو انہیں کے اندر داخل سمجھ کر ان کی حالت کو صراحتہً بیان نہیں فرمایا ان کے بیان میں بعد صاحب فراست ایمانی کے دوسرا درجہ اس شخص کا ہے جو مشکلات میں مشورہ کر کے اہل الرائے کی رائے کا اتباع کرتا ہے۔ اس درجہ میں دونوں شخص داخل ہیں جو صاحب رائے ہیں وہ بھی۔ اور جو صاحب رائے نہیں وہ بھی۔ علیٰ ہذا تیسرا درجہ اس شخص کا رکھا ہے جو حیران ہے نہ مشورہ کرتا ہے۔ اور نہ مشیر کا اتباع کرتا ہے۔ اس میں بھی دونوں شخص داخل ہیں جو صاحب رائے ہیں اور مشورہ نہیں کرتے اور جو صاحب رائے بھی نہیں اور مشورہ بھی نہیں کرتے۔

ایسے ہی حسن نے ان چار صورتوں میں سے تین کی تو تصریح کر دی البتہ ایک صورت کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ یعنی جو شخص کہ خود تو صاحب رائے نہیں ہے۔ مگر اہل الرائے سے مشورہ کرتا ہے اس کو نہ کامل رجل میں تو وہ داخل کیا ہے نہ نصف میں اور نہ لا رجل میں تو وہ داخل ہو ہی نہیں سکتا۔ اب یا تو کامل رجل ہوگا یا نصف رجل۔ لیکن کامل رجل کہنا

بھی بعید از قیاسِ عقل ہے۔ اس لئے لامحالہ نصف رجل میں داخل ہونا بالکل بین و ظاہر ہے کیونکہ صورت ثانیہ میں وہ شخص نصف رجل کے درجہ میں رہا جس نے گو ذی رائے نہیں ہے مگر اپنے معاملہ کی باگ اہل الرائے کے ہاتھ میں دیدی ہے۔ بدرجہ اولیٰ اس درجہ میں رہے گا۔ اور اس کا درجہ اس نصف رجل کے درجہ سے بڑھا رہے گا۔ جو صورت ثانیہ میں بیان کیا گیا بلکہ وہ قریب تر رجل کامل کے ہوگا اور چونکہ اس درجہ ظاہر و باہر تھا۔ اس وجہ سے حسن نے صراحتہً اس کا ذکر نہیں کیا۔

غرض اختلاف کچھ نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ صورت اول سے تو حسن نے بحث ہی نہیں کہ بلکہ باقی چار صورتوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو کا ذکر صراحتًا فرما دیا اور دو کا ضمنًا اور حسن نے تین کا ذکر صراحتًا اور ایک کا ضمنًا

(۹) بعض عقلاء کا قول ہے۔

من بدءَ بالاستخارۃ وثنّیٰ بالاستشارۃ فحقیق ان لا یخیب رایہ۔	جو شخص اول اپنے رب سے استخارہ کرے اور پھر وہ کام کرے تو وہ مستحق اس امر کا ہے کہ خائب و خاسر نہ ہو۔

(۱۰) ابن المعتزؒ عباسی کا قول ہے۔

المشورۃ راحۃ لك و تعب علی غیرك۔	مشورہ تیرے لئے راحت ہے اور دوسرے پر مشقت و تعب ہے،

یعنی مشورہ سے دوسرے پر بوجھ پڑ جاتا ہے اور تو خود ہلکا اور ملامۃ اور

لہ، سہ مستطرف صف ۹۹،۹۸ ج ۱

شماتت اعداد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۱۱) بعض عقلاء کا قول ہے۔

اذا استخار الرجل ربہ واستشار صحبہ واجہد رایہ فقد قضا ما علیہ و یقضی اللہ فی امرہ ما یحب	جب آدمی اپنے رب سے استخارہ کرلے اور اپنے دوستوں سے مشورہ کرلے اور اپنی عقل و دانش کو پورا صرف کر چکے تو وہ اپنا فرض ادا کر چکا۔ اب خدا تعالیٰ اس کے معاملہ میں جو چاہے کرے۔

مطلب یہ ہے کہ نتیجہ کا حسب مدعا ظاہر ہونا نہ کسی بشر کے اختیار میں ہے اور نہ قدرت میں داخل۔ اس کے اختیار میں جو بات ہے اور جس کی پابندی کو کرنی چاہیئے وہ صرف یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آئے اور اس کے دونوں جانب فعل و عدم فعل کے مفید نتائج میں متردد ہو تو اوّل اپنے رب سے استخارہ کرے۔ پھر مشورہ اور اس کے بعد اپنی رائے کا زور لگا کر ایک جانب کو اختیار کرے۔

(۱۲) کان[1] یقال من اعطی اربعاً لم یمنع اربعاً من اعطے الشکر لم یمنع المزید ومن اعطے التوبۃ لم یمنع القبول ومن اعطی الاستخارۃ	یہ مقولہ منقول چلا آتا ہے کہ جس شخص کو چار باتیں حاصل ہوگئیں اسے چار امور سے بھی محروم نہیں رکھا جاتا جو شخص نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے وہ مزید نعمتوں سے محروم نہیں رہتا اور جس کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ قبول توبہ سے محروم نہیں

[1] مستطرف صفحہ ۶۸ ۱۲ [2] مستطرف صفحہ ۶۸ ۱۲

لم یمنع الخیرۃ و من اعطی المشورۃ لم یمنع الصواب۔	رہتا۔ اور جس نے خدا سے استخارہ کر لیا اس کو امور خیر کی توفیق ہوتی ہے اور جس نے مشورہ کر لیا صواب سے محروم نہیں رکھا جاتا۔

(۱۳) قبیلہ عبس کے ایک شخص سے کسی نے کہا۔ کیا بات ہے تم لوگ معاملات میں خطا بہت کم کرتے ہو۔ اس نے جواب میں کہا۔

نحن الف رجل وفینا حازم واحد فنحن نشاورہ فکنا الف حازم۔	ہم ایک ہزار شخص ہیں۔ اور ہم میں ایک شخص دانشمند۔ مدبر اور تجربہ کار ہے ہم اس سے مشورہ کرتے ہیں تو گویا ہم ہزار دانشمند اور مدبر ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم بغیر مشورہ کے کام نہیں کرتے۔ اور ایک مدبر و تجربہ کار کا مشورہ قبول کرتے ہیں۔ تو گویا ہم ہزار کے ہزار مدبر و دانشمند ہیں جو مشاورت باہمی کے بعد معاملات طے کرتے ہیں۔ پھر ہم کیونکر خطا پر قائم رہ سکتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب بغیر سوچے سمجھے اس ایک شخص کا اتباع کرتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ ہم خود بھی ذی رائے و تدبیر ہیں۔ مگر ایک تجربہ کار و دانشمند کا قول سب پر مرجح ہوتا ہے۔ اور انجام میں ہم متفق ہو جاتے ہیں۔ اور یہی قاعدہ عقلاء دنیا کا ہے کہ تجربہ کار و مدبر کا قول ہمیشہ مرجح سمجھا جاتا ہے۔

(۱۴) ایک شاعر کہتا ہے۔

[1] عقد مزید جلد اول صفحہ ۱۹ ۱۲

الرای کالیل مسود جوانبہ
واللیل لا ینجلی الا باصباح
فاضمم مصابیح اراء الرجال الی
مصباح رایک تزدد ضوء مصباح

رائے مثل شب دیجور کے ہے کہ اس کے اطراف سیاہ ہیں۔ اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کے زائل نہیں ہوتا۔ لوگوں کی رائے کی مشعل کو اپنے چراغ کے ساتھ ملا لینے سے تیرے چراغ کی روشنی زیادہ ہو جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے سے ایک پہلو کو سمجھتا ہے۔ مگر جیسا کہ رات میں اگرچہ قریب کی چیز کا احساس و ادراک ہو جاتا ہے مگر ذرا فاصلہ کی چیز نظر نہیں آتی۔ اسیطرح تنہا اپنی رائے سے تمام پہلو روشن نہیں ہوتے وہ برابر معرض خفا میں رہتے ہیں۔ لیکن جب صبح ہو کر شب کی تاریکی زائل ہو جاتی ہے تو مشرق و مغرب، جنوب و شمال کی تمام چیزیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب اپنی رائے کے ساتھ دوسروں کی رائے کو ملا گیا تو گویا ایک چراغ کے ساتھ جس کی روشنی تھوڑی دور تک پھیلی ہوئی تھی ہزاروں شمعوں کو روشن کر دیا اور عالم کے نورانی ہو جانے سے خود اس کے چراغ کی روشنی بھی بڑھ گئی۔ اور اطراف و جوانب کی سب چھوٹی بڑی چیزیں ظاہر و نمودار ہو گئیں۔

سچ یہ ہے کہ اس شاعر نے مشورہ کے فوائد و نتائج کو بہت ہی خوبی اور لطافت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کیسا صحیح ارشاد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

ان من الشعر لحکمۃ

(بعض شعر حکمت ہوتے ہیں)

یعنی شعر کو محض تک بندی اور تخیلات کا مجموعہ ہی نہ سمجھو ان میں بہت سی حکمت کی باتیں بھی ہوتی ہیں۔

(۱۵) بعض بلغاء فرماتے ہیں۔

من حق العاقل ان یضیف الی رایہ آراء العقلاء ویجمع الی عقلہ عقول الحکماء فان الرای الفذ ربما ذل والعقل الفذ ربما ضل۔

عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ عقلاء کی رائے کا اضافہ کرے۔ اور اپنی عقل کے ساتھ حکماء کی عقل کو جمع کرے کیونکہ اکیلی رائے بسا اوقات ذلیل ہوتی ہے۔ اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ ہو

۱۶۔ عرب کا ایک نابینا شاعر بشار بن برد اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

اذا بلغ الرای المشورۃ فاستعن ؛ بحزم نصیح او نصاحۃ حازم

جب کسی معاملہ میں مشورہ کی نوبت آئے تو خیر خواہ کی دانشمندی یا دانشمندی کی خیر خواہی سے امداد لینی چاہیئے۔

لاتجعل الشوری علیک غضاضۃ ؛ فان الخوافی قوۃ للقوادم

مشورہ کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ۔ کیونکہ چھوٹے پر شہ پروں کے لئے قوت ہوتے ہیں

شاعر نے اول شعر میں مشیر کے شرائط اشارہ کیا ہے۔ لیکن اس کی تشریح ہم مشورہ کے آداب وشرائط میں کریں گے۔ دوسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے مشورہ لینے کو اپنے لئے حقارت کا سبب نہ سمجھے یہ خیال نہ کرے کہ کسی سے مشورہ لینے میں میری نادانی

یا ناواقفیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ شخص کیسا ہی دانشمند اور تجربہ کار ہو اور مشیر اس درجہ کا نہ ہو۔ کیونکہ قوی کو بھی بسا اوقات ضعیف سے تقویت پہنچ جاتی ہے دیکھو پرندکے بازو میں بہت سے پر ہوتے ہیں ایک ایک وہ جن کو شہپر کہتے ہیں۔ اور پرند کے اڑنے کا مدار انہیں پر ہوتا ہے دوسرے چھوٹے چھوٹے پر جن کو خوانی کہتے ہیں۔

لیکن شہپر اپنی قوت سے کام لینے میں ان پروں کا ایک حد تک محتاج ضرور ہے اور اس کو ان سے قوت ضرور پہنچتی ہے۔

اس بیان کی تائید اس حکمت کے مشہور مقولہ سے ہوتی ہے۔ جو ادب الدنیا والدین میں نقل کیا گیا ہے۔

وقد قیل فی منثور الحکم من اکثر المشورۃ لم یعدم عند الصواب مادحا وعند الخطاء عاذرا وان کان الخطاء من الجماعۃ بعیدا۔

حکمت کے بکھرے ہوئے موتیوں میں یہ مقولہ بھی ہے جو شخص بکثرت مشورہ کرتا رہتا ہے تو وہ دو حال سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ درصورت صواب اس کے مادح موجود ہوتے ہیں اور درصورت خطا معذور سمجھنے والے۔ اگرچہ ایسا شخص اکثر صواب پر ہی ہوتا ہے کیونکہ ساری جماعت کا خطا پر قائم رہنا ایک امر بعید از عقل ہے۔

(۱۷) قاضی ابوالحسن ماوردی اس مضمون مذکورہ کی تائید اس طرح فرماتے ہیں۔

سلہ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰ ۱۲ ۔ سلہ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ ۱۲

ولا ینبغی ان یتصور فی نفسہ انہ ان شاور فی امرہ ظہر للناس ضعف رایہ وفساد رویتہ حتی افتقر الی رای غیرہ فان ہذہ معاذیر النوکی ولیس یراد الرای للمباہاۃ وانما یراد للانتفاع بحتہ والتحرز من الخطاء عند زللہ وکیف یکون عار امااذی الی صواب وعن خطاء۔

مشیر کو اپنے دل میں یہ خیال کرنا لائق نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے معاملات میں کسی سے مشورہ کریگا تو لوگوں میں اس کی رائے کا ضعف اور فکر کا نقصان نہ ہوتا تو کسی کی رائے کا کیوں محتاج ہوتا۔ رائے کا ضعف اور فکر کا نقصان نہ ہوتا تو کسی کی رائے کا محتاج کیوں ہوتا۔ اس قسم کے خیالات احمقوں کے خیالات ہیں رائے اور مشورہ فخر ومباہات کے لیے نہیں ہوتے ان سے تو انتفاع مقصود ہوتا ہے جو چیز کہ صواب تک پہنچا دے اور خطا سے محفوظ رکھے وہ عار کی بات کیونکر ہو سکتی ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مشورہ لینے کے اندر نتیجہ اور فائدہ مترتبہ کا دھیان رکھنا چاہیئے محتاج مشورہ کو اظہار فخر ومباہات کی وجہ سے کہ ہم ایسے مستقل اور صائب الرائے ہیں۔ ہم کو کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں ترک مشورہ نہ کرنا چاہیئے۔ اور نہ مشیر کو مشورہ دینے کے وقت اپنی بڑائی اور محتاج الیہ ہونے کی طرف دھیان رکھنا چاہیئے۔ اگر بالفرض مستشیر نے اپنے فخر ومباہات میں کمی آجانے کے خیال سے مشورہ نہ لیا جائے اور نتیجہ خلاف اس کی توقع کے ظاہر ہوا تو وہ چند ساعت کا فخر بھی زائل ہو کر ہمیشہ

کی ندامت حاصل ہوئی اور مقصود فوت ہوجانے سے نقصان بھی اٹھایا اور بعد مشورہ مقصود حاصل ہوگیا تو حصول مقصود اس چند ساعت کے فخر سے ہزار مرتبہ فائق و برتر ہوگا بلکہ اس کی دانشمندی۔ حزم و تدبر کا سکہ بیٹھ کر ہمیشہ کا فکر ہوجائے گا۔

(۱۸) بعض[۱] بلغاء فرماتے ہیں۔

اذا اشکلت علیك الامور وتغیر لك الجمھور فارجع الی رای العقلاء وافزع الی استشارة العلماء ولا تانف من الاسترشاد ولا نستنکف من الاستمداد فلان تسال وتسلم خیر لك من ان تستبد وتندم۔

جب تجھ کو معاملات میں اشکال پیش آجائیں اور عام خیالات تجھ سے منحرف ہوجائیں تو تجھ کو عقلاء کی رائے کی طرف رجوع کرنا اور گھبرا کر علماء سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ طلب رشد و امداد میں حیاء و غیرت کرنی چاہیئے لوگوں سے مشورہ لیکر اور دریافت کرکے سالم و غانم رہنا مستقل الرائے بن کر انجام کار نادم و پشیمان ہونے سے بہتر ہے۔

(۱۹) حکیم لقمان[۲] نے اپنے بیٹے کو نصیحت دی۔

من جرب الامور فانہ یعطیك من رائہ ما قام علیہ بالغلاء وانت تاخذہٗ مجانا۔

تجربہ کار وہ رائے دیتا ہے جو اس کو نہایت گراں قیمت پر ملی ہے۔ یعنی نہایت مشقت وتحمل و مصائب کے بعد حاصل ہوئی ہے اور تو اس کو مفت بلا تعب اڑاتا ہے۔

[۱]، [۲] الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ ۱۲

الخطاء مع الاسترشاد	مشورہ اور طلب رشد کے بعد خطاء میں
احمد من الصواب	مبتلاء ہو جانا اس سے زیادہ محمود ہے کہ
مع الاستبداد۔	تو استقلال رائے سے راہ صواب پر رہے،

حاصل یہ ہے کہ مشورہ لینے کے بعد اگرچہ رائے خطا پر ہی قائم رہے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہ ہو لیکن پھر بھی وہ اس سے بہتر ہے کہ مستقل اور خودرائی سے نتیجہ مطلوبہ حاصل کرے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ نتیجہ کا ترتب نہ مشیر کے ہاتھ میں ہے نہ مستشیر کے اختیار میں۔

عقلاء محض اسباب پر ثمرات کا ترتب دیکھتے ہیں۔ لیکن جب ایک ہی ثمرہ کیلئے اسباب بہت سے ہوتے ہیں تو پھر اسباب کا نتیجہ تک پہنچ جانا ضروری امر نہیں ہے۔ موانع تاثیر اسباب و ترتب نتیجہ سے عائق و مانع ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک یا چند عقلاء مل کر تمام اسباب پر مطلع ہو جائیں اور کل موانع کا ان کو علم ہو جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک قرن کے عقلاء جب تجربیات کے متعلق اپنی تمام قوتیں صرف کر چکے تو چاہیئے تھا کہ قرن مابعد میں انکشافات جدیدہ کا سلسلہ بالکل مسدود ہو جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ تو ممکن ہے کہ مشورہ کے بعد بھی صحیح نتیجہ تک نہ پہنچ سکے۔ اور بغیر مشورہ تنہا اپنی رائے سے وہاں تک پہنچ جائے۔

اور جب ترتب نتیجہ کا کسی کے ہاتھ میں نہیں اور یہ ممکن ہے کہ تنہا ایک شخص کی رائے صحیح ہو اور چند عقلاء کی رائے مل کر بھی صحیح نہ ہو۔ تو اب ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جب اپنی خودرائی کے باوصف صحیح نتیجہ تک پہنچ گیا۔

اور کسی معاملہ میں باوجود مشورہ مقصود تک رسائی نہ ہوئی تو اس کو اپنی رائے پر زعم ہو جائے اور وہ خود رائی کو مابہ الاعتماد ٹھیرا کر ہمیشہ اسی طریق کو پسند کرنے لگے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اکثر و بیشتر عقلاء کی جماعت جو رائے قائم کرتی ہے وہ صحیح اور منتج ہوتی ہے پس ایسا مستقل الرائے مستبد شخص ایک دفعہ خود رائے قائم کرتی ہے بعد صحیح نتیجہ تک پہنچنے سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گا۔ اور وہ خود رائی کو محمود و منتج سمجھ کر بار بار غلط کاریوں میں مبتلا ہوگا اور جب ایسا ہے تو ظاہر ہے کہ بعد مشورہ اگرچہ خطا پر ہی رہے اس سے بہتر ہوگا کہ استقلال رائے سے صحیح نتیجہ پر پہنچ جائے کیونکہ اول صورت میں وہ ملام و مطعون تو نہ ہوگا اور باقاعدہ نظام عالم مشورہ کا پابند رہ کر مطالب تک پہنچنے میں کامیاب ہوتا رہے گا۔ برخلاف صورت ثانیہ کے کہ جب خود رائے و استبداد کا خوگر ہو کر غلط کار بن جائے گا تو مطعون خلائق جدا بنے گا اور نقصان مائع و شماتت ہمسایہ کا مصداق علیحدہ ہوگا

۲۱۔ ایک[ا] شاعر کہتا ہے۔

خلیلیّ لیس الرای فی جنب واحد	میرے دوستو رائے ایک شخص کے پہلو میں نہیں ہوتی
اشیرا علی بالذی تریانی	تم مجھ کو اس بات کا مشورہ دو جسکو تم بہتر سمجھتے ہو

۲۲۔ سیف[۲] ابن ذی کا قول ہے۔

من اعجب برایہ لم یشاورو	جس کو اپنی رائے پر گھمنڈ اور زعم ہوتا ہے
من استبد برایہ کان من	وہ مشورہ نہیں کرتا اور جو خود رائی سے کوئی

[ا] ۔ ۲ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ ۱۲

الصواب بعیدا

کام کرتا ہے صواب سے دور رہتا ہے۔

بعض ادباء[۱] کا مقولہ ہے۔

ماخاب من استخار ولا ندم من استشار۔

جس شخص نے اپنے رب سے استخارہ کرلیا نامراد نہیں رہا اور جس نے مشورہ کے بعد کام کیا نادم نہیں ہوا۔

بعض حکماء[۲] فرماتے ہیں۔

نصف رأيك مع اخيك فشاوره ليكمل لك رأيك۔

تیری رائے کا نصف حصہ تیرے بھائی کے پاس ہے تجھ کو اس سے مشورہ ضرور کرنا چاہیئے کہ تیری رائے کامل ہو جائے۔

۲۵- ایک حکیم[۳] فرماتے ہیں۔

من كمال عقلك استظهارك على عقلك۔

تیری دانشمندی یہ ہے کہ تو اپنی عقل کیلئے دوسری عقول کو مددگار بنائے۔

۲۶- اہل فارس[۴] کے مقالات حکیمہ میں کا ایک مقولہ ہے۔

اضعف الحيلة خير من اقوى الشدة واقل التأني خير من اكثر العجلة والدولة رسول القضاء المبرم، واذا استبد الملك برأيه عميت عليه المراشد۔

ضعیف تدبیر نہایت سخت شدة سے بہتر ہے تامل و غور کے بعد تھوڑا سا کام کرنا عجلت کیساتھ بہت سے کام سے بہتر ہے اور دولت قضا مبرم کا پیام رساں ہے۔ اور جب بادشاہ اپنی رائے میں مستقل ہو جائے تو ہدایت کے راستے اس سے مخفی ہو جاتے ہیں۔

[۱] ادب الدنیا والدین صـ۱۲ ۱۲ [۲] ایضا صـ۱۲۱ [۳] ایضا صـ۱۲۱ [۴] ایضا صـ۱۲۲ ۱۲

۲۷- ایک حکیم کا قول ہے۔

المشورۃ موکل بہا التوفیق لصواب الرای۔

مشورہ کے ساتھ رائے صواب کی طرف موفق ہونا لگا ہوا ہے۔

(۲۸) وصف الرجل عضد الدولۃ فقال لہ وجہ فیہ الف عین وفمہ فیہ الف لسان وصدرہ فیہ الف قلب

ایک شخص نے عضدالدولہ کی تعریف میں کہا اس کے چہرہ میں ہزار آنکھیں اور منہ میں ہزار زبانیں اور سینہ میں ہزار دل ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عضدالدولہ خود فہیم صاحب رائے صائب گویا اور مقرر ہے۔ وہ خود اپنی رائے سلیم سے معاملات کے کنہ اور حقیقت کو سمجھتا ہے اور دوسرے اہل الرائے و تجربہ کار اشخاص سے مشورہ کرتا ہے پس اس کے چہرہ میں صرف دو آنکھیں نہیں بلکہ ہزار ہیں ایسے ہی اس کے منہ میں ایک زبان۔۔۔ نہیں بلکہ ہزار زبانیں ہیں یعنی ہر ایک کے ساتھ مناسب حال گفتگو کرتا ہے اور اپنے مطلب و مدعا کو نہایت فصاحت و بلاغت و خوش اسلوبی سے ذہن نشین پر قادر ہے۔ ایسے ہی اس کے سینہ میں ایک دل نہیں بلکہ ہزار ہیں۔ ایک دل میں کتنا ہی ادراک و فراست کا مادہ بھرا ہوا ہو۔ مگر ایک ایک ہی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ دوسرے روشن دل بھی ملے ہوئے ہیں۔ اور ان کے مفید مشوروں اور سالہا سال کے تجربوں سے منتفع ہو چکا ہو تو اب وہ تنہا نہ رہا۔ بلکہ اس کے ایک دل میں ہزار دل مضمر و مستتر ہیں۔

اس شخص نے عجیب لطافت سے عضدالدولہ کی مدح سرائی کی۔

لہ مستطرف صہ ۶۸ ۱۲ ؎ ادب الدنیا والدین ۱۲

آدمی میں دو قسم کی خوبیاں ہو سکتی ہیں۔

(۱) صاحب عقل و تدبیر اور فراست و دانش ہو۔

(۲) اہل رائے و تجارب کے مشورہ سے متمتع ہونے میں کسی قسم کی نخوت و کبر مانع نہ آئیں اپنی دانش و تدبیر پر اعتماد کر کے دوسرے عقلاء کے مشوروں سے مستغنی نہ ہو جائے ان کی رائے و مشورہ کو حقیر اور اپنے لئے موجب ننگ و عار نہ سمجھے۔

اس نے عضد الدولہ کی تعریف میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا جن سے دونوں قسم کے اوصاف کی طرف اشارہ ہو گیا۔ یعنی یہ کہ خود اتنا دانشمند عواقب امور پر نظر ڈالنے والا اور ہر معاملہ کی کنہ و حقیقت اور نتائج و ثمرات کو سوچنے سمجھنے والا ہے کہ گویا ایک آنکھ سے نہیں دیکھتا اور ایک قلب سے نہیں سوچتا سمجھتا بلکہ اتنا دیکھتا اور اس قدر سمجھتا ہے جتنا ہزار آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور ہزار دلوں سے سوچا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ وہ کسی معاملہ میں تنہا اپنی رائے و عقل سے اہم معاملات کو انجام دینا نہیں چاہتا بلکہ اپنے معتمد علیہ امراؤ وزراء سے مشورہ لیکر طے کرتا ہے۔

(۲۹) اردشیر ابن مالک کا مقولہ ہے۔

اربعۃ تحتاج الی اربعۃ الحسب الی الادب والسرور الی الامن و القرابۃ الی المودۃ والعقل الی التجربۃ	چار چیزیں ایسی ہیں جو کار آمد و منتج ہونے میں دوسری چار چیزوں کی محتاج ہیں حسب و شرافت ذاتی ادب و تہذیب کے محتاج ہیں

اور سرور امن کا قرابت و رشتہ داری محبت و مروت کی عقل تجربہ کی۔

ظاہر ہے کہ اگر کسی میں ذاتی جوہر شرافت ولیاقت کے موجود ہوں۔ لیکن اس کی تہذیب وتادیب کما ینبغی نہ ہو تو اس کے ذاتی جوہر بھی زیادہ کار آمد نہیں ہوتے بلکہ یوں ہی رائے گاں جاتے ہیں۔ اور کسی کو خوشی ومسرۃ کے اسباب نصیب ہوں۔ لیکن امن واطمینان حاصل نہیں ہے تو کیونکر ان اسباب عیش ومسرۃ سے متمتع ہو سکتا ہے اور باہم وقرابت ورشتہ داری تو ہو مگر معاملہ مودت ومحبت گم ہے تو ایسی قرابت کیا کام دے سکتی ہے

علیٰ ہذا کتنا ہی دانشمند صاحب عقل وہوش ہو مگر تجربہ کار نہ ہو تو تنہا اس کی عقل چنداں مفید نہیں بلکہ ناتجربہ کاری کی حالت میں عقل کی تیزی کبھی مضر ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آزمودہ ہونے کے لئے مشاورۂ ارباب تجربہ نہایت ضرور ولازمی جز ہے۔

(۳۰)۔ امیر مہلب ابن ابی صفرہ کہا کرتے تھے۔

ان من البلیۃ ان یکون الرأی	سخت اور شدید تر مصیبت یہ ہے کہ رائے
بید من یملکہ دون من یبصرہ	اس شخص کے ہاتھ میں ہو جو اس کا مالک ہے

اور جو رائے کے تمام پہلوؤں کو دیکھتا ہے اس کے ہاتھ میں نہ ہو۔

یعنی محتاج مشورہ یا تو اہل الرائے سے مشورہ ہی نہ کرے اور یا کرے مگر اس کی رائے پر عمل نہ کرے اور خود اپنے معاملات کو طے کر لیا کرے۔

(۳۱) بعض حکماء سے دریافت کیا گیا کن کن امور سے عقل کی تائید و تقویت ہوتی ہے اور وہ کیا باتیں ہیں جن سے عقل کو سخت نقصان و مضرتیں پہنچتی ہیں۔

ﻟﮧ مستطرف جلد اول صـ ۶۸ ۱۲

فقال اشدھا تائید الہ ثلاثۃ اشیاء مشاورۃ العلماء وتجربۃ الامور وحسن التثبت واشدھا اضرارا بہ ثلاثۃ اشیاء الاستبداد والتھاون والعجلۃ۔

حکیم نے جواب دیا کہ عقل کو سب سے زیادہ تین چیزوں سے تائید پہنچتی ہے۔ اول علماء سے مشورہ کرنا دوسرے معاملات کا تجربہ ہونا۔ تیسری رائے میں متانت و ثبات ہونا اور سب سے زیادہ مضرۃ بھی اس کو تین چیزوں سے پہنچتی ہے خود رائی و استقلال تغافل وسستی اور جلد بازی سے۔

مشاورۃ اور تجربہ دو جداگانہ باتیں ہیں۔ مشاورۃ سے طریق حق و صواب کا انکشاف ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص معاملات میں مبتلا ہو کر تجربہ حاصل نہ کرے تو تنہا مشورہ لینا عقل کی تائید و تقویت کیلئے کافی نہیں ہے اس کی عقل جبھی کامل و مکمل ہوتی ہے۔ جب معاملات میں خود مبتلا ہو کر اہم سے اہم کاموں کو سرانجام دے۔ اور سرد و گرم حالات کے ذائقہ سے خود واقف ہو جائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو معاملات کا اور خصوصاً اس قسم کے معاملات کا جسمیں مشورہ لیا جائے علم اور تجربہ ہو۔ خاص کسی فن کے عالم یا شریعت کے عالم مراد نہیں ہیں۔ ہاں اگر شریعت کے عالم متقی و متدین صاحب فراست ایمانی ہوں تو ان کا مشورہ دوسروں کے مشورہ سے بہت سے معاملات میں مرجح

سمجھا جائے گا۔

(۳۲) ایک حکیم نے دوسرے حکیم کو کسی معاملہ میں مشورہ دیا تو مشورہ لینے والے حکیم نے اظہار شکر و امتنان کے موقعہ پر کہا۔

لقد قلت بما یقول به الناصح الشفیق الذی یخلط حلو کلامہ بمرہ وسھلہ بوعرہ ویحرك الاشفاق منہ ما ھو ساکن من غیرہ وقد وعیت النصح منك وقبلتہ اذ کان مصدرہ من عند من لا یشك فی مودتہ وصفاء غیبہ ونصح حبیبہ وما زلت بحمد اللہ الی الخیر طریقا واضحا ومنارا بینا۔

تو نے ایسے ناصح مہربان کی بات کہی جو اپنی شیریں کو تلخی کے ساتھ اور سہل اور آسان کو دشواری کے ساتھ ملاتا ہے اور جس کی شفقت و مہربانی اس کے اندر ایسی ہمدردی کو حرکت میں لاتی ہے جو دوسروں کے اندر حالت سکوں میں ہے۔ میں نے نصیحت کی بات کو سمجھا اور قبول کیا۔ کیونکہ وہ اس شخص سے صادر ہوئی جس کی دوستی اور غائبانہ اخلاص اور درست کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی میں شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے خدا کا شکر ہے کہ تو ہمیشہ سے خیر کی طرف کھلا ہوا راستہ اور روشنی کا منار رہا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ خیر خواہی و ہمدردی اور مشورہ نیک ہیں بسا اوقات ایسے الفاظ اور ایسے لہجہ کا استعمال کرنا پڑتا ہے جو خلاف طبع اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی طالب مشورہ کی رائے کا میلان ایک جانب ہوتا ہے۔

اب اگر مشیر کے اندر اخلاص کامل و ہمدردی تام نہیں ہے تو وہ بوجہ رعایت مزاج ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے اور اگر ہمدردی پوری ہے تو اس کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ حسب ضرورت سخت اور درشت لہجہ میں بھی رائے دینے سے درگذر نہیں کرتا۔ یہ ظاہری صفائی اور درشتی اگرچہ تلخ معلوم ہوتی ہے مگر اس کے اندر وہ شیرینی ہے جس کی لذت سے ہمیشہ نفع اٹھاتا ہے۔ لیکن ظاہری تلخی کو برداشت کرتا اور اندرونی حلاوت پر نظر رکھنا بھی دانشمند لوگوں کا کام ہے اور اسی دانش وتدبر کا نتیجہ ہے کہ یہ حکیم اپنے مشیر کا ایسے شاندار الفاظ میں شکریہ ادا کرتا ہے۔

(۳۳) حکمت[۱] کے بکھرے ہوئے موتیوں میں سے ایک مقولہ یہ بھی ہے۔

کل شئ یحتاج الی العقل والعقل یحتاج الی التجارب ولذلك قیل الایام تهتك لك عن الاستار الكامنة۔	ہر چیز عقل کی محتاج ہے اور عقل تجربوں کی حاجتمند ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ زمانہ پوشیدہ اور مخفی امور پر سے پردہ اٹھا دیتا ہے۔

۳۴۔ بعض حکماء[۲] کا قول ہے۔

التجارب لیس لها غایة و العاقل منها فی زیادة۔	تجربوں کی کوئی انتہا اور نہایۂ محدود و معین نہیں ہے عاقل کے تجربات ہمیشہ از دیاد میں رہتی ہیں۔

۳۵۔ ایک حکیم[۳] فرماتے ہیں

من استعان بذوی العقول	جو شخص ذوی العقول کی رائے اور مشورہ سے

---
[۱] و [۲] عقد فرید صفحہ ۱۲۰ ج ۱ [۳] عقد فرید صفحہ ۱۲۰ ج ۱

فاز بدرك المامول۔ | مدد حاصل کرتا ہے حصول مدعا میں کامیاب ہوتا ہے۔

نصوص قرآن روایت احادیث اقوال سلف امۃ وعقلاء زمانہ سے مشورہ کی اہمیت و ضرورت اس کی غرض و غایت فوائد و نتائج ثمرات و برکات کا حال معلوم ہو چکا۔ اس بارہ میں اس سے زیادہ نقل روایات و اقوال کی ضرورت نہیں رہی ۔ اس لئے اسی قدر پر یہاں کفایت کر کے اب ہم مشورہ کے دوسرے مراتب پر بھی اسی طرح تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

مشورہ کے چار رکن ہیں۔

(۱) معاملات قابل مشورہ (۲) اہلیتہ مشورہ

(۳) مستشیر یعنی محتاج و طالب مشورہ (۴) مشیر یعنی مشورہ دینے والا۔

معاملات قابل مشورہ کی تفصیل و توضیح سابق بیانات سے مشورہ کا اہم و ضروری منتج خیر و برکت ہونا اور ترک مشورہ کا موجب ابتلاء خطرات مہلکہ و ندامت و پشیمانی خیبۃ و خسران ہونا معلوم ہو چکا۔ لیکن ابھی یہ بیان کر دینا باقی ہے کہ مشورہ جب ایسا اہم اور ضروری ہے تو اس کا حکم ہر چھوٹی بڑی جلیل و حقیر بات کو مشتمل ہے۔ یا کچھ معاملات اس سے مستثنیٰ بھی ہیں۔ جن میں مشورہ کی حاجت نہیں یا جن میں مشورہ کرنا بجائے رحمت ہونے کے موجب ہلاکت ہو جاتا ہے سو معلوم کرنا چاہیئے کہ مشورہ کا ایسے معاملات میں حکم ہے جس کی دونوں جانب محتمل نفع و ضرر ہوں اور شریعت یا عقل یا عادت کے اعتبار سے کوئی جانب متعین اور یقیناً ثمر منفعت نہ ہو۔

اگر معاملہ ایسا ہے جس میں شریعت سے حکم صادر ہو چکا۔ اس کے طریقے اور حدود معین کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں کسی سے مشورہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بسا اوقات مشورہ نہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اوقات نماز کا ادا کرنا یا ادا فریضہ زکوٰۃ یا حج وصوم سے سبکدوش ہونا ان معاملات میں شریعت کا صاف و صریح حکم موجود ہے۔ ان کے شرائط وادا کی مکمل تعلیم دی جا چکی ہے اب بوقت نماز منادی خدائے جل وعلا باآواز بلند مسلمانوں کو خانۂ خدا کی طرف اداء نماز کیلئے بلاتا ہے ایسی حالت میں کوئی شخص مشورہ کرنے بیٹھے کہ اس وقت نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں عین حماقت و نادانی میں داخل ہوگا۔ اور یہ مشورہ یقیناً معصیت ہوگا۔ البتہ ادا فرض کے مختلف اسباب و ذرائع اور طریق میں سے کسی ایک طریق کو اختیار کرتے میں علماء یا اطباء یا اہل عقل و تجربہ سے مشورہ کرے تو جائز بلکہ بعض حالتوں میں واجب ہوگا۔ مثلاً ایک شخص مریض ہے اس کو تردد ہے کہ مجھ کو ایسی حالت تیمم کی اجازت ہے یا نہیں۔ اس بارہ میں اطبا یا تجربہ کاروں سے مشورہ کر سکتا ہے یا حج کے لئے امن طریق شرط ہے۔ اور قافلے کئی راہ سے جا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض راہ پر خطرہ ہوں اور بعض نہ ہوں یا بعض میں کم خطرہ ہو اور بعض میں زیادہ۔ ان راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے اندر مشورہ کرنا درست ہے یا ضروری ہے یا مثلاً کسی پر دشمن حملہ کرتا ہوا چلا آتا ہے اس کو جان بچانے کیلئے اپنی حفاظت ضروری ہے۔ ایسی حالت میں مقتضاء عقل یہ ہے کہ ہر ممکن صورت سے دشمن کی مدافعت کرے۔ یہ وقت نہیں کہ دشمن تو سر پہنچ گیا ہو اور یہ شخص احباب

مخلصین اور تجربہ کار اہل عقل سے مشورہ کی فکر میں رہے۔ یہ اسی فکر میں رہیگا اور دشمن اس کا کام تمام کر دے گا۔ ہاں اگر اس قدر مہلت ہے تو اس کو مدافعت عدو اور محافظت نفس کے مختلف طریق میں سے کسی ایک طریق کو اختیار کرنے میں مشورہ کرنا مناسب یا ضروری ہوگا یا مثلاً بھوک اور پیاس کے وقت روٹی کھانا یا پانی پینا ان امور میں سے ہے جو امور طبعیہ میں داخل ہے۔ عقل اور عادت کا صاف فتویٰ یہ ہے کہ بھوک کے عذاب سے بغیر روٹی کھائے نجات نہیں ہوسکتی اور شدت تنگی کی آگ بلا پانی کے فرو نہیں ہوسکتی۔ ان امور طبعیہ میں مشورہ کی حاجت نہیں ہاں اس کے ذرائع یا ترک یا مختلف اغذیہ اور اشربہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں اگر کسی کے اندر خطرہ کا احتمال ہو تو مشورہ کرنا مستحسن یا ضروری ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن امور کا حکم یا نتیجہ متعین ہے یا وہ امور طبعی ہیں ہیں۔ ان کے اندر مشورہ کی حاجت نہیں۔ اگر مشورہ کے حکم کو ایسا عام رکھا جائے کہ کوئی چھوٹا بڑا کام خواہ امور طبعیہ عادیہ میں داخل ہو یا امور شرعیہ میں بلا مشورہ نہ کیا جائے تو علاوہ اس کے کہ بہت سے مواقع میں مشورہ معصیتہ کی حد میں داخل ہو جائے گا۔ مشورہ جس غرض و غایت کے لئے مشروع کیا گیا یا ضروری یا مستحسن سمجھا گیا ہے۔ وہ باقی نہ رہیگا وہ بجائے رحمت کے زحمت اور بجائے مفید و منبع خیر و برکات ہونے کے مضر اور مثمر خطرات ہو جائے گا۔

مشورہ انہی امور میں ضروری یا مستحسن ہے جن میں کوئی جانب شرعاً عقلاً

عرفاً عادتاً معین نہیں اور جن کے مختلف جوانب میں خطرات و منافع کا احتمال ہے جن کے نتائج مبہم اور مخفی ہیں۔

پھر معاملات کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ بعض ایسے امور ہیں کہ انکے منافع و خطرات دونوں معمولی اور کم درجہ کے ہیں۔ اور بعض کے منافع بھی زیادہ اور خطرات بھی اہم۔ ان معاملات کی نوعیت اور منافع و خطرات کی عظمت و قوۃ و رفعت و ضعف کے اعتبار سے مشورہ کے حکم استحسان میں فرق ہو جائے گا۔ بعض مواقع میں مشورہ نہایت اہم اور ضروری ہو گا۔ اور بعض جگہ درجہ استحسان میں رہے گا۔

خداوند عالم نے مشورہ کو انسانی مصالح کا رکن اعظم بنایا۔ ارباب عقول کو اس کی پابندی کا حکم دیا۔ مگر اس نے اپنی رحمت عامہ کی بنا پر انسان کو مقید نہیں کیا کہ کوئی معاملہ بلا مشورہ کر ہی نہ سکے بسا اوقات اہم معاملات پیش آتے ہیں۔ اور ایک تجربہ کار انسان کو اسکے انصرام وحل کا طریقہ معلوم ہوتا ہے جس کے خلاف ورزی کو وہ مہلک سمجھتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کسی صاحب عقل و دانش سے مشورہ کرے گا۔ تو اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں بتلا سکتا ایسی حالت میں اگر وہ بلا مشورہ کام کر بیٹھے تو ملام و مطعون نہ ہو گا۔

اہلیۃ مشورہ: مشورہ کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں اوصاف ذیل موجود ہوں۔

الف۔ مشیر میں عقل کامل اور تجربہ تام ہو۔ کوئی شخص بغیر ان اوصاف

کے کامل و مکمل نہیں ہوتا۔ عقل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا شمار ذوی العقول میں کرنا بھی فضول اور لغو ہے۔ اور اگر عقل ہو لیکن ناقص تو جسقدر نقصان عقل میں ہے اس کی انسانیت میں اسی قدر نقصان ہے۔

ب۔ صاحب عقل و تجربہ ہونے کے بعد دوسری شرط اہلیۃ کی یہ ہے کہ مشیر میں ہمدردی خلق اللہ و خیر خواہی کا مادہ عموماً اور مستشیر کے ساتھ خصوصاً موجود ہو اس کے اخلاق مہذبہ و خصائل حمیدہ اس کی اجازت نہ دیتے ہوں کہ وہ کسی کے ساتھ بدخواہی کا معاملہ کرے۔ خصوصاً اس شخص کے ساتھ جو اپنے معاملات کی باگ اس کے ہاتھ میں دیکر خود سبکدوش ہو رہا ہے اگر مشیر میں باوجود عقل کامل و تجربہ نصح و ہمدردی کا مادہ عموماً موجود نہیں۔ یا کم از کم مستشیر کے ساتھ یا تو ہمدردی کا داعیہ اس کے قلب میں نہیں ہے۔ یا بجائے ہمدردی کے اس کے ساتھ بغض و عداوت حسد و کینہ اور بدخواہی موجود ہے تو ایسا شخص عموماً قابل مشورہ نہیں ہے اور خاصکر اس شخص کیلئے تو اس کا مشورہ سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔

غرض وصف اول کے ساتھ اس دوسرے وصف کا پایا جانا بھی ضروری ہے ورنہ عاقل تجربہ کار کا مشورہ بجائے مفید ہونے کے زیادہ مضر ہو جاتا ہے جیسا کہ اس ہمدرد ناصح و شفیق کے مشورہ سے پرہیز رہنا ضروری ہے جو کودن کم عقل۔ جاہل و غفلت شعار ہے اس سے زیادہ ایسے شخص کے مشورہ سے پرہیز رکھنا واجب ہے جو دانشمند و فہیم۔ مجرب و آزمودہ کار تو اعلیٰ درجہ کا ہے مگر اس میں مادہ خیانت

و بدخواہی موجود ہے۔

حضرت عبداللہ ابن الحسن رضی اللہ عنہ اپنے صاحب زادہ محمد بن عبداللہ کو نصیحت فرماتے ہیں۔

احذر مشورۃ الجاھل وان کان
ناصحاً کما تحذر عداوۃ العاقل
اذا کان عدوا فانہ یوشك ان
یورطك بمشورتہ فیسبق الیك
مکر العاقل وتوریط الجاھل

جاہل اگرچہ خیر خواہ ہو مگر اس کے مشورہ سے بچنا چاہیئے جیسا کہ دانا دشمن کی عداوت سے کیونکہ کچھ بعید نہیں کہ اپنے مشورہ سے وہ تجھ کو بلا کی ہیں دھکیل دے اور عاقل کی کر و تدبیر اور جاہل کی نادانی تجھ کو آدبائے

اسی مضمون کو ابو اسود دولی اس طرح ادا کرتے ہیں ؎

وما کل ذی لب بمؤتیك نصحہ
وما کل مؤت نصحہ بلبیب
ولکن اذا ما استجمعا عند صاحب
فحق لہ من طاعۃ بنصیب

ہر ذی عقل تیرا خیر خواہ نہیں ہوتا اور نہ خیر خواہ دانشمند ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ دونوں وصف کسی میں جمع ہو جائیں تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

بعض حکماء کا قول ہے۔

لا تشاور الا الحازم غیر
الحسود واللبیب غیر
الحقود وایاك ومشاورۃ
النساء فان رایھن

تجھ کو سوا صاحب حزم غیر حاسد اور دانشمند غیر کینہ ور کے کسی سے مشورہ نہ کرنا چاہیئے۔ عورتوں کے مشورہ سے قطعاً پرہیز رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ انکی

الی الافن دعزمهن الی الوهن ۔	رائے کا میلان فساد کیطرف اور عزم کا سستی کی جانب ہونا ہے ۔

ج ۔ مشیر میں علاوہ عقل کامل و تجربہ تام ونصح و ہمدردی مخلوق کے عموماً یاخصوصاً اور موجودگی اخلاق مہذبہ اور تدین عقلی کے تدین مذہبی تقویٰ وصلاحیت کا ہونا بھی منجملہ شرائط اہلیت کے ہے ۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ آدمی کو اخلاق حمیدہ و ملکات پسندیدہ اور عقل کامل ۔ کذب وخیانت مکروتزویر حیلہ سازی و دغا بازی سے خود بھی مانع ہوتے ہیں ۔ خواہ وہ شریعت منزلہ کے ارکان کا پابند ہو یا نہ ہو ۔ اور اسی درجہ کو تدین عقلی یا عرفی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور یہ درجہ مشیر کے لئے ایسا ضروری اور لازم ہے کہ بدون اس کے وہ قابل مشورہ ہو ہی نہیں سکتا یہاں تک کہ اگر وہ شریعت منزلہ کا تابع بھی ہے لیکن ان اوصاف کے ساتھ متصف نہیں ہے تب بھی وہ مشورہ کا اہل نہیں لیکن تدین عقلی وعرفی کے ساتھ اس میں تدین مذہبی بھی پایا جائے تو اس کی اہلیت مکمل ہے ۔ اور ایسے شخص سے مشورہ کرنا تمام غوایل ونقایص سے مامون ومطمئن کر دیتا ہے کیونکہ دینداری وتقویٰ شعاری نے اس کے قلب کو آلایش ونفسانیت وکدورات باطن سے پاک وصاف کر دیا ہے اور اس کے اندر گنجائش باقی نہیں رہی کہ وہ خلاف ہمدردی ونصح کوئی بات کہہ سکے ۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۔

من اراد امرا فشاور فیہ امرًا مسلمًا وفقہ اللہ لارشد امورہ ۔	جو کسی کام کا ارادہ کرے اور مرد مسلم سے مشورہ کرے تو خدا تعالیٰ اس کو بہترین امور کی توفیق عطا فرماتے ہیں ۔

یہ ظاہر ہے کہ تدین عقلی کے ساتھ تدین شرعی بھی مجتمع ہو جائے تو اس کی اہلیتِ مشورہ کامل و مکمل ہو جائے گی کیونکہ بسا اوقات عقل کامل و تجربہ تام کے باوصف کبھی آدمی کو اتباعِ عقل ہی کسی ایسے امر کا استحسان ذہن نشین کر دیتا ہے جو مستشیر کے حق میں مضر ہوتا ہے۔ لیکن اتباعِ شریعت اخلاق حمیدہ کے علاوہ اس کے دوسری حیثیت سے بھی پابند کئے ہوتے ہے جو کسی طرح سوا نصیحت و خیر خواہی کسی دوسرے امر کی اجازت نہیں دیتا۔ اور اسی وجہ سے مشورہ کیلئے مسلمان کو منتخب کرنا از بس ضروری ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ جامع اوصاف مذکورہ متبع شریعت نہ مل سکے تو ایسی حالت میں غیر مسلم سے بھی مشورہ لینے میں کچھ حرج نہیں۔ یہ ایسی شرط نہیں کہ بغیر اس کے اہلیتِ مشورہ پائی ہی نہ جائے۔

تاریخ وسیر کی ورق گردانی سے ثابت ہے کہ بہت سے مواقع میں ان کفار اور ذمیوں سے مشورہ کیا گیا جن کی نصح وعقل پر دوسرے ذرائع سے اطمینان ہو چکا ہے۔ اور یہ امر مستشیر کے تجربہ کے حوالہ کیا جا سکتا ہے۔

مشورۂ نکاح نوح ابن ابی مریم قاضی مرو نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہا تو ایک مجوسی یعنی آتش پرست سے جو ان کے پڑوس میں رہتا

تھا اس بارہ میں مشورہ کیا۔ مجوسی نے تعجب سے کہا کہ تمام لوگ تو آپ سے مشورہ کرتے اور امور دینیہ میں فتویٰ لیتے ہیں۔ اور آپ مجھ سے مشورہ لیتے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا نہیں تم کو مشورہ دینا چاہیئے اس نے کہا بادشاہ فارس کسریٰ تو مال کو ترجیح دیتا تھا یعنی مالدار کو غیر مالدار پر مرجح سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک مال ایسی چیز تھی جس کی وجہ سے عزت و وقعت بڑھتی تھی۔ اور لڑکیوں کی راحت و آسائش اسی میں سمجھی جاتی تھی۔ اور قیصر روم جمال کو پسند کرتا تھا یعنی شادی کیلئے صاحب جمال کو پسند کرتا تھا۔ کیونکہ مقصود نکاح سے زوجین میں مودت والفت ہے۔ اور یہ بات جمال کی حالت میں زیادہ پائی جاتی ہے اس لئے دختر ہو یا فرزند اس کے لئے صاحب جمال کو ترجیح دیتا تھا۔ مال وغیرہ ان امور میں نہیں جن کو اصل مقصود نکاح (موجب تفریق و تکالیف اور نزاع و مخاصمت ہو جاتا ہے)، جمال کے ساتھ نکاح موجب تفریق و تکالیف اور نزاع و مخاصمت ہو جاتا ہے اور رئیس عرب شرافت خاندانی اور حسب کو ترجیح دیتا تھا یعنی ان کے نزدیک زوجین کا شرافت حسبی و نسبی میں ہم رتبہ ہونا زیادہ مرجح تھا اور تمھارے (اہل اسلام کے) سردار یعنی اگر کوئی دیندار و متشرع تو ہے۔ مگر صاحب مال و جمال و شرافت نہیں تو ایسے شخص کو اس پر ترجیح دیتے تھے جسمیں یہ امور تو موجود ہیں مگر دیندار نہیں۔ اب تم دیکھ لو کہ کس کی اقتدار کو پسند کرتے ہو۔ آیا فارس و روم و عرب کے رؤسا کے اتباع کو یا اپنے سردار پیغمبر کے۔

حاصل اس کے مشورہ کا یہی تھا کہ تم کو اپنی صاحبزادی کے عقد کے لئے صاحب دین کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ اگر اس کے ساتھ وہ صاحب مال و جمال و شرافت بھی ہو تو نور علیٰ نور ہے۔ اور یہ مشورہ ظاہر ہے کہ بالکل صحیح و سچا اور مخلص خیر خواہی پر مبنی تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قاضی صاحب کو اپنے پڑوسی کے تدین عقلی یا عرفی اور اس کی عقل و تجربہ پر نہ ہوتا اس کی خیر خواہی و ہمدردی میں تردد یا شک ہوتا تو ہرگز اس سے مشورہ نہ کرتے۔ لیکن یہ امر کچھ مجوسی ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اگر مسلمان کی عقل و نصح پر بھی اعتماد نہ ہوتا تو اس سے بھی مشورہ نہ کرتے غرض یہ ہے کہ اگر غیر مسلم میں یہ اوصاف پائی جائیں۔ تو وہ بھی اہل مشورہ ہے ہاں حتیٰ الوسع مسلم سے مشورہ کرنا چاہیئے۔

فائدہ۔ نکاح کیلئے چار امور مال و جمال حسب و دین کا موجب رغبت ہونا اور پھر شریعت محمدیہ میں دین کو سب امور پر ترجیح دینا اس حدیث کے مضمون سے ماخوذ ہے جس کو بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تنکح المرأۃ لاربع لمالها و لحسبها وجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك ۔	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت کی طرف نکاح کی رغبت یا تو مال کی وجہ سے ہوتی ہے یا جمال اور حسب اور دین کی وجہ سے تجھ کو چاہیئے کہ دیندار عورت سے نکاح کرے۔

ان چار اوصاف موجب رغبت کے علاوہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانچواں وصف اور بھی بیان فرمایا یعنی اخلاق حمیدہ۔ چنانچہ امام احمد نے ابوسعید خدریؓ سے اور اسی طرح بزاز۔ ابویعلی اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنکح المرأۃ علی احدی خصال لجمالھا ومالھا وخلقھا ودینھا فعلیک بذات الدین والخلق تربت یمینک۔	عورت کے ساتھ خصائل مذکورہ میں سے کسی ایک خصلت کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ جمال و مال خلق اور دین کیوجہ سے تم کو چاہیئے کہ صاحب دین اور خلق کو پسند کرو۔

اس حدیث میں حسب کا ذکر نہیں ہے جو اور احادیث میں مذکور ہے۔ اس کو ملاکر اسباب رغبت نکاح کل پانچ ہوتے ہیں۔ مالؔ۔ جمالؔ۔ حسبؔ اخلاق و دین آپ کے ارشاد سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ ان سب میں دین کو ترجیح ہے اگر کسی مرد یا عورت میں مال وجمال حسب و اخلاق حسب یا بعض موجود ہوں۔ مگر دین نہ ہو تو ایسے اسباب کی طرف رغبت کرنے کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے۔ اور اگر یہ اوصاف کسی میں کل کے کل یا بعض نہ ہوں مگر دین ہے تو آپ اس کو تمام اوصاف کے جامع سے مرجح فرماتے ہیں لیکن یہ امر بھی قابل تفصیل ہے کہ جیسا دین کا لحاظ سب پر مقدم ہے ایسے ہی علاوہ دین کے باقی سب اوصاف رغبت و ترجیح میں یکساں ہیں یا ان میں بھی بعض کو بعض پر فوقیت و ترجیح حاصل ہے، مگر اس کا یہ موقع نہیں

ہے انشاء اللہ تعالیٰ کسی وقت اس کی تفصیل بھی کی جائے گی۔

(د) جس شخص سے مشورہ لیا جائے اس کا قلب ایسے ہجوم و افکار سے خالی ہو۔ جن کی وجہ سے دماغ پریشان اور قلب مشغول ہو جاتا ہے ایسا شخص باوجود عقل تام و تجربہ کامل نصح و ہمدردی۔ تدین و تقویٰ شعاری کے صحیح اور معقول مشورہ دینے سے عاجز و قاصر رہتا ہے کیونکہ وہ خود اپنے خیال میں ایسا مبتلا ہے کہ نہ معاملہ مشورہ طلب میں اپنی پوری عقل لڑا کر اس کی تمام جوانب کو سوچ سکتا ہے اور نہ مستشیر کی رہبری کر سکتا ہے وہ خود۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند کا مصداق بن رہا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص باوجود اوصاف و شرائط اہلیۃ مشورہ کے ایک امر عارض کیوجہ سے صحیح مشورہ دینے پر قادر نہیں ہے صالح ابن عبد القدوس اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

ولا مشیر کذی نصح ومقدرۃ | فی مشکل الامر فاتخذ ذاک منتصحا

نہیں ہے مشیر مثل ایسے شخص کے کہ جو خیر خواہ ہو اور مشکلات میں دستگیری کرنے والا ہو کسی ایسے کو ناصح بنا۔

کسریٰ ملک فارس کا دستور تھا کہ اپنے وزراء اور مشیر کاروں کو تمام ترددات افکار سے فارغ البال رکھتا تھا۔ اگر کسی معاملہ میں ان کی رائے وزن دار نہیں پاتا تھا تو سمجھ لیتا تھا کہ کسی مبتلا ہیں۔ اور اسیوقت اہل کاروں کو بلا کر سزائیں دیتا تھا کہ تم نے ان کو ماہوار اور معین روزینوں میں کمی کی ہے جس کی وجہ سے ان کے طبائع متفکر اور بحال

خود مشغول ہیں۔ دماغ ان کا پریشان اور عقل ان کی سالم نہیں ہے۔ حاصل اس شرط کا بھی یہی ہے کہ مشیر کی عقل کامل اور سالم ہے۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ شرط اول میں تو اصل فطرت سے عقل کا وجود و کمال بیان کیا ہے اور اس میں بقاء اور سلامتی، اسی وجہ سے یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشیر کا افکار و ترددات میں مبتلاء ہونا اس کو اہلیتِ مشورہ سے خارج نہیں کر دینا ہاں چونکہ ایسی حالت میں بوجہ نقصان عقل و فکر مضرت کا اندیشہ ہے اس لئے وہ عارضی طور پر اس قابل نہیں رہا کہ اس سے مشورہ کیا جائے اگر کسی شخص کی رائے و عقل پر اس درجہ اعتماد ہو کہ وہ ابتلاء افکار و ہجوم حوادث کے باعث مختل الحواس نہیں ہو جاتا بلکہ ایسی حالت میں بھی جو بات اس کی زبان سے نکلتی ہے وہ جچی تلی ہوتی ہے۔ تو اس سے مشورہ کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے تاہم اس میں اور اس شخص میں جو باوجود تمام اوصاف مذکورہ کی موجودگی کے افکار و ترددات سے بھی خالی ہے۔ فرق ضرور ہوگا کیونکہ اطمینان و غیر اطمینان کی حالت مساوی نہیں ہو سکتی۔ ایک فارغ القلب وسلیم الحواس جہاں تک اپنی فکر کو دوڑا سکتا ہے اور غور و فکر سے بات کی تہ کو پہنچ سکتا ہے اور اسی بناء پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص باوجود سلیم الحواس مطمئن القلب افکار و ترددات سے خالی ہونے کے کسی دوسری امر کی طرف متوجہ ہے اس کی اہلیت میں بھی اسی قدر نقصان ہے۔ مثلاً سفر کی عجلت میں ہے یا حوائج بشری کے انصرام کیطرف متوجہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۵) جس امر میں مشورہ لیا جاتا ہے۔ مشیر کی اغراض و خواہشات کا اس سے تعلق نہ ہو یعنی اس کی کوئی ذاتی غرض اس سے متعلق نہ ہو۔ اگر اس کی ذاتی غرض کا اس امر سے تعلق ہے تو باوجود تمام اوصاف مذکورہ موجود ہونے کے اس کا مشورہ قابل اعتماد نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ غرض ذاتی اور خواہش نفسانی طبعاً آدمی کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لیتی ہے کہ اس کو خود بھی بہت کم احساس ہوتا ہے اور بے اختیارانہ اس سے وہ بات سرزد ہو جاتی ہے جو مستشیر کے حق میں مضر ہوتی ہے آدمی کی رائے ایسی حالت میں ہرگز صحیح قابل اعتماد و لائق وثوق نہیں ہوتی۔ صاحب عقول و آراء صحیحہ و فطرۃ سلیمہ بھی اس موقع پر اپنے درجہ سے گر جاتے ہیں۔ فضل ابن عتبۃ ابن ابی لہب فرماتے ہیں۔

وقد یحکم الایام من کان جاھلا | و یردی الھوی ذالرای وھو لبیب

زمانہ کبھی ایسے شخص کے درجہ کو محکم کر دیتا ہے جو جاہل ہے اور کبھی خواہش نفس صاحب رائے و دانشمند کو گرا دیتی ہے۔

ویحمد فی الامر الفتی وھو مخطئی | و یعذل فی الاحسان وھو مصیب

اور کبھی آدمی باوجود خطا پر ہونے کے شکر گزاری کا مستحق ہوتا ہے اور کبھی باوجود احسان کرنے اور صواب پر ہونے کے قابل ملامت بن جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات ایک جاہل غیر ذی رائے خیر خواہی ہمدردی کیساتھ مشورہ دینے کی وجہ سے خواہ اس کا مشورہ انجام کار مفید ہو یا مضر محسود اور قابل ستائش ہو جاتا اور اس کی وقعت نظروں میں

بڑھ جاتی ہے اور خودغرضی و ہوا، نفسانی عاقل و دانشمند کو اس کے درجہ سے گرا دیتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ باوجود غرض مشترک ہوتے کے ہر شخص ایسا نہیں ہوتا۔ جس کو مشورہ میں متہم سمجھا جائے۔ بہت سے ایسے افراد ہوتے ہیں کہ مشورہ کے وقت مستشیر کی اغراض و منافع کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دیتے اور اپنی خواہش قلبی کو پس پشت ڈالیں۔ مگر قواعد کے تدوین و تمہید میں اکثریات پر نظر ہوتی ہے مستثنیات کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اور اسی وجہ سے قاعدہ کلیہ یہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اگر کوئی فرد اس سے مستثنیٰ ہو اور مستشیر کو باوجود غرض مشترک ہونے کے اس کے تدوین و تقویٰ پر اعتماد ہو تو یہ صورت جدا گانہ ہوگی شریعت غرا نے بھی اس قسم کے معاملات میں اغراض مشترکہ کا خیال کر کے قواعد کلیہ بنا کر ہم کو دیئے ہیں۔ دیکھیے ماں باپ کی شہادت اولاد کے حق میں معتبر نہیں ہے علیٰ ہذا اولاد کی شہادت الوین کیلئے اور زوجین کی شہادت ایک دوسرے کیلئے آقا کی شہادت مملوک غلام کیلئے اور غلام کی آقا کے لیے۔ وجہ صرف یہی ہے کہ آپس میں منافع و اغراض مشترک ہیں۔ باپ کا نفع بیٹے کا ہوتا ہے۔ وعلی ہذا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دیندار اور تقویٰ شعار مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے ذاتی منافع کے لیے ہی جو بلا واسطہ اس کو پہنچتے ہیں شہادت میں کسی قسم کا رد و بدل کر سکے چہ جائیکہ ان منافع کے لئے جن کے واسطے پہنچنے کا احتمال ہے۔ لیکن شریعت نے خاص افراد کا لحاظ نہیں کیا بلکہ حکم دے دیا۔

لا تقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا امرأة لزوجها ولا الزوج لامرأته ولا العبد لسيده ولا المولى لعبده ولا الاجير لمن استاجره۔	بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں۔ اور باپ کی بیٹے کے حق میں عورت کی خاوند کے حق میں اور خاوند کی بی بی کے حق میں۔ غلام کی آقا کے حق میں اور آقا کی غلام کے حق میں اور اجیر کی مستاجر کے حق میں معتبر نہیں۔

کتب تاریخ میں یہ واقعہ مسطور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زرہ جبکہ آپ خلیفۃ المؤمنین تھے ایک یہودی کے پاس برآمد ہوئی۔ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں اس مقدمہ کو دائر کیا۔ اور شہادت میں بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنے مولی یعنی غلام آزاد کردہ قنبر کو پیش کیا۔ قاضی صاحب نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت اس قاعدہ کلیہ کی بنا پر کہ وہ صاحبزادے ہیں رد کر دی۔ قنبر کی شہادت کو قبول کر کے فرمایا کہ ایک گواہ اور لائیے۔ کیونکہ تنہا ایک گواہ کی شہادت پر اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے درجہ کا ہو فیصلہ نہیں ہو سکتا دوسرا کوئی گواہ موجود نہ تھا۔ اس وجہ سے دعویٰ خارج ہوا۔ زرہ یہودی کو لادی گئی۔

اس روشن اور صاف قاعدہ کلیہ اور اس فیصلہ حقانی کا یہ اثر ہوا کہ یہودی یہ کہہ کر کہ خلیفۂ وقت اپنے قاضی کے یہاں معاملہ دائر کرے اور وہ خارج ہو جائے مسلمان ہو گیا۔

ظاہر اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب کسی قسم کا احتمال بھی سوء ظنی کا نہیں ہو سکتا اور نہ قاضی صاحب کو معاذ اللہ تھا۔ مگر قاعدہ

کلیہ شریعت غراء کا یہی تھا جس کے آگے سب کو سر تسلیم خم کرنا لازم وواجب ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ایسی خصوصیات سے استثنا کا دروازہ کھول دیا جاتا تو پھر ہر شخص کو ایسی نہ کسی خصوصیت فرضی یا واقعی سے استثنار کا موقع اور بہانہ مل جاتا۔ اور یہ قاعدہ کلیہ شریعت کا کاغذ ہی پر ہی لکھا نظر آتا عملدرآمد سواء شاذ صورتوں کے کہیں بھی نہ ہوتا۔

(و) مشیر اگر متعدد ہوں تو ان کا آپس میں حسد و تنافس سے خالی ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ایک کو دوسرے کی بات تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو مشاورۃ کا نتیجہ سوار مشاجرۃ۔ منازعت اور منافرۃ کے کچھ نہ ہوگا

یہ چھ اوصاف وشرائط ہیں جن کے مجتمع ہونے سے آدمی مشورہ کا اہل بنتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض اوصاف اس درجہ ضروری ہیں جنکے بغیر قابلیت ثابت ہی نہیں ہوتی۔ ان کو ذات مشورہ میں ہے اور بعض ضرورتیں اس درجہ کی نہیں ہیں۔ ان سے کسی وقت قطع نظر بھی کر لی جاتی ہے جیسا کہ ہماری تشریحات سے واضح ہو چکا ہے۔

اہل عقل وحکمت نے اپنے زرین اقوال میں اوصاف وشرائط کو جامع ومانع الفاظ میں بیان فرمادیا ہے۔ مستطرف میں ہے۔

قالت الحکماء ولا تشاوروا معلما ولا راعی غنم ولا کثیرالقعود مع النساء	حکماء نے فرمایا ہے کہ بچوں کو تعلیم دینے والے بکریوں کے چرانیوالے عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھنے والے اور کسی صاحب

ولا صاحب حاجۃ یرید قضاءھا ولا خائفا ولا حاقنا وقیل سبعۃ لا ینبغی لصاحب لب ان یشاورھم جاھل وعدو وحسود ومراء وجبان وبخیل وذو ھوی فان الجاھل یضل والعدو یرید الھلاک والحسود یتمنی زوال النعمۃ والمرائی واقف مع رضاء الناس والجبان رایہ الھرب والبخیل حریص علی جمع المال فلا رای لہ فی غیرہ وذو الھوی اسیر ھواہ فلا یقدر علی مخالفتہ۔

حاجت سے جو اس کے پورا کرنے کی فکر میں لگا ہوا۔ اور خوف زدہ شخص اور اس شخص سے جو بول و براز کو دبائے ہوئے ہو قضاء حاجت کی فکر میں لگا ہوا ہے مشورہ نہ کرنا چاہیئے اور بھی حکماء کا مقولہ ہے کہ سات شخص ایسی ہیں جن سے مشورہ کرنا کسی صاحب عقول کو مناسب نہیں ہے جاہل[۱] دشمن[۲]، حاسد[۳]، ریاکار[۴]، نامرد[۵]، بخیل[۶]، خود غرض[۷] اسلیے جاہل تو خود گم کردہ راہ ہے۔ دوسرے کو بھی گمراہی میں ڈالتا ہے، دشمن ہلاک کرنا چاہتا ہے، حاسد زوال نعمت کا متمنی ہے۔ ریاکار لوگوں کی رضاجوئی کی فکر میں لگا رہتا ہے، نامرد کی رائے ہمیشہ فرار اور گریز کی جانب ہوتی ہے اور بخیل مال کے جمع کرنے پر تلا رہتا ہے سوا جمع مال اس کو دوسری چیز کی طرف توجہ نہیں۔ خود غرض اپنے اغراض کا پابند ہے اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔

حاصل یہی ہے کہ ایسا شخص جس میں فی حد ذاتہ عقل و تجربہ نہیں۔ یا ہیں مگر کسی امر عارضی کیوجہ سے صحیح مشورہ نہیں دے سکتا۔ مشیر بننے کے قابل نہیں۔

مستشیر یعنی طالب مشورہ کے فرائض و آداب

یہ امر تو اول بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی اہم معاملہ پیش آئے جس کے اندر رائے قائم کرنا مشکل ہے یا معاملہ کی دونوں جانبیں فوائد و خطرات سے خالی نہیں ہیں تو ایسی حالت میں استبداد و استقلال رائے سے کام کرنا مہلک ہے اور موجب ننگ و عار اور ملامت و طعن ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ محتاج مشورہ اگرچہ کتنا ہی دانشمند صاحب وجاہت اور آزمودہ کار ہو اس کو کسی دوسرے سے مشورہ کرنے میں اگرچہ وہ شخص ظاہر میں کم رتبہ اور معمولی حالت میں ہے یہ امر مانع نہ ہو کہ اگر میں باوجود دانشمندی تجربہ کاری اور وجاہت اور علوشان کے دوسرے کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کر کے طالب رائے ہوں گا تو لوگوں کی نظروں میں میری بے وقعتی یا نادانی ظاہر ہوگی ۔ اور یہ سمجھا جائے گا کہ اگر میں خود صاحب رائے ہوتا تو دوسروں کا محتاج نہ ہوتا ۔ کیونکہ ان خیالات اور اعذار سے مشورہ کو ترک کر کے اپنے معاملات کو خراب کرنا اور مورد طعن و ملامت بن کر نظروں میں حقیر بننا سخت حماقت میں داخل ہے اب ہم مستشیر کیلئے فی نفسہ فرائض و آداب کو بیان کرنا چاہتے یعنی جب کوئی اپنی اہم و مشکل معاملات میں دوسروں سے مشورہ کا طالب ہو تو اس کے ذمہ لازم یا مناسب ہے ۔

(۱) مستشیر کا پہلا فرض یہ ہے کہ مشورہ کے لئے ایسے افراد کو منتخب کرے جو مشورہ نہ دینے کے لائق و اہل ہیں ۔ جن میں وہ اصاف و شرائط موجود ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ یعنی جو صحیح مشورہ دینے کے قابل ہیں جن کے مشورہ

پر کاربند ہونے سے فائز المرام ہو سکتا اور ترک مشورہ کی صورت میں جو نقصانات یا الزام پہنچ سکتے ہیں ان سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر مستشیر لائق و قابل مشورہ افراد کے انتخاب میں کوتاہی کرے گا۔ یا ایسے اشخاص کو منتخب کرے گا۔ جن میں بجائے ان اوصاف کے جو مشیر کے لئے ضروری ہیں۔ دوسری قسم کے خصائل موجود ہیں اور جو ظاہراً مشیر بننے کی قابلیت نہیں رکھتے تو اس کا الزام خود مستشیر کے ذمہ ہے۔ اور جو نقصان اس کو پہنچے گا وہ خود اس کی کوتاہی کا نتیجہ ہوگا۔ اور گو وہ اس صورت میں اس قدر ملام و مطعون تو نہ ہوگا۔ جیسا کہ خود رائی اور استقلال سے کام کرنے کی صورت میں ہوتا۔ مگر اس حالت کے قریب ہی قریب رہے گا۔ اس لئے سب سے اول اس کا کام یہی ہے کہ مشورہ کے لئے اہل اور لائق افراد منتخب کرے۔

(۲) مستشیر کی غرض مشورہ سے استفادہ رائے ہونا چاہیئے۔ نہ کہ امتحان مشیر۔ کیونکہ امتحان کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مشیر کی عقل و دیانت تجربہ و صداقت پر اعتماد نہ ہو اور جبکہ مشیر کی اہلیت کو پہلے جانچ لیا گیا ہے تو اب امتحان کے معنی کیا ہیں۔ اگر کسی کا امتحان مقصود ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ رائے تو ایک جانب معین ہو چکی ہے اب پرکھنا یہ ہے کہ مشیر آیا صحیح رائے دیتا ہے یا غلط۔ لیکن اس کو مشورہ نہیں کہتے اس کا نام امتحان اور جانچ ہے۔ اور یہ وہیں ہوتا ہے جہاں کسی کی عقل و تجربہ پر اعتماد نہ ہو۔ یا جس کی صداقت و محبت عداوت و نفرت کا حال معلوم نہ ہو۔

(۳) مشیر مشورہ میں اگرچہ مستشیر کی منشا اور خواہش کے خلاف رائے دے۔

ٹھنڈے دل سے سننا چاہیئے۔ یعنی کسی خیال یا واہمہ پر اس کیطرف سے بدظن نہ ہو۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو مشورہ کا نفع ہرگز اس کو نہیں پہنچ سکتا بلکہ یہ شخص حیرانی اور پریشانی میں زیادہ مبتلا ہو جائے گا۔ بسا اوقات ایک خالص اور سلیم العقل کی درست بات پر کسی نہ کسی وجہ سے بدظنی کا موقع مل جاتا ہے لیکن مستشیر کو اس وقت عقل اور ثبات قلب سے کام لینا چاہیئے اگر بدظنی سے کام لیا جائے گا تو کسی کام یا معاملہ میں بھی تنقیح رائے نہ ہو گی۔ اگر کوئی ایسا شخص دستیاب ہونا دشوار ہو جائے گا۔ جس پر اعتماد کیا جاسکے۔

معاشرۃ ومشاورۃ کا رکن اعظم یہ ہے کہ مستشیر پر اعتماد ہو۔ اور اس کو ہم شرائط اہلیۃ میں بیان کر چکے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اصف ضمیرک لمن تعاشرہ	واسکن الی ناصح تشاورہ

اپنے دل کو ہمنشین کیطرف سے صاف رکھنا چاہیئے۔ اور ہمدرد و خیرخواہ مشیر کی بات پر اطمینان کرنا چاہیئے

وارض من المرء فی مودتہ	بما یودی الیک ظاھرہ

دوست کی اس قدر دوستی پر جو ظاہر حال سے معلوم ہوتی ہے راضی رہنا چاہیئے۔

من یکشف الناس لا یجد احدا	تصح منھم لہ سرائرہ

جو لوگوں کے باطن حالات کی تفتیش کریگا۔ تو کوئی ایسا نہ ملیگا جس کے باطن میں خیرخواہی کو رہو

اوشک ان لا یدوم وصل اخ	فی کل زلاتہ تنافرہ

اگر بھائی و دوست کی ہر لغزش پر گرفت کی جائے تو کسی ایک بھائی کا تعلق بھی باقی نہیں رہ سکتا۔

(۴) جس معاملہ میں مشورہ طلب کیا جاتا ہے اس کو کھول کر اور واضح ہو کر بیان کرے تاکہ مشیر کو اس کے تمام جوانب پر نظر کر کے رائے قائم کرنے کا موقع ملے اگر

معاملہ کو مبہم و مجمل بیان) کیا گیا یا بعض واقعات کو یا اپنے خیال اور غرض اور مقصود کو مخفی رکھا گیا تو مشیر ہرگز صحیح رائے نہیں دے سکتا اور اس وجہ سے جو نقصان پہنچیگا اس کا ذمہ دار خود مستشیر ہوگا۔ مشیر ہرگز قابل ملامت و طعن نہ ہوگا۔

(۵) مستشیر کو چاہیئے کہ مشیروں کی رائے اور ان کی وجوہ استدلال خود بھی غور سے سنے اور سمجھے تاکہ مستشیر جس طرح بوجہ مشورہ کرنے کے استبداد رائے کی آفات سے محفوظ رہا ہے ایسے ہی بے سمجھ بوجھے دوسروں کی رائے کا اتباع کرنے کی تقلید اعمیٰ اور تفویض سے بھی بچ جائے جب وہ تمام پہلوؤں اور ان کے وجوہ پر غور کرے گا تو خود بھی صحیح نتیجہ پر پہنچیگا اور اس کو اپنے اپنے مشیروں کی عقول و تجربہ کاری۔ نصح و ہمدردی و دفع الوقتی کا بھی پورا اندازہ ہو جائے گا۔ اور اس کو یہ واضح ہو جائے گا کہ میری عقل ان معاملات میں کہاں تک چل سکتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آیندہ جب اس قسم کے مشکل اور مہم معاملات پیش آئیں گے تو یہ اسوقت اس تجربہ سے بہت کچھ کام لینے کے لائق ہوگا اور اگر اپنے معاملات کو دوسروں کے ہاتھ میں سپرد کرکے بے سوچے سمجھے تقلید کرے گا تو ان سب فوائد سے محروم رہے گا

(۶) مشاورۃ میں بحث و مباحثہ کے بعد کوئی رائے قائم ہو جائے اور بعد از عمل ثابت ہو کہ یہ رائے غلط اور بجائے مفید ہونے کے مضر تھی تو مستشیر کو لازم ہے کہ ہرگز مشیروں پر طعن و تشنیع نہ کرے کیونکہ مشیر کا کام صرف یہ ہے کہ اپنی عقل و رائے سے ایک طریقہ کو واضح کر دے۔ اس طریقہ کا موصل الی المطلوب ہونا مشیر کے حد ادراک و اختیار سے بالکل خارج ہے۔ اول تو آدمی

کتنا ہی صاحب فراست و دانشمند کیوں نہ ہو مگر اسکی عقل محدود ہے۔ تمام اسباب و احتمالات کا احاطہ دشوار اور سخت دشوار ہے اور پھر باوجود تمام اسباب و ذرائع موصلا قریبہ و بعیدہ کے مجتمع ہونے کے ترتب نتیجہ خداوند عالم کے اختیار میں ہے۔ اسوجہ سے مشیر ہرگز مستحق و ملامت و طعن نہیں ہے۔ اگر ایسی صورتوں میں مشیر مورد و طعن و لعن بنائے جائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ کبھی کسی کو مشورہ دینے کی جرأت نہ کریں گے۔ اور ہمیشہ یہ کہہ کر الگ ہوجایا کریں گے کہ جو مناسب سمجھے اس پر عمل کرو۔ اور مخلوق مشورہ کی دولت عظمیٰ سے محروم ہوجائے گی۔ جس کا فساد و نقصان ظاہر ہے۔

(۷) مشیر کی گمنامی اور کم وقعتی کو اس کے مشورہ کو رد کرنے کا سبب نہ سمجھنا چاہیئے۔ مستشیر کا فرض ہے کہ دانشمندی اور خیر خواہی کی بات اگرچہ کسی گمنام کم وقعت کی شخص زبان سے بھی سنے تو اسقدر کرے۔ کیونکہ مشورہ کی غرض اپنا انتفاع ہے۔ اسمیں مشیر کے بلند رتبہ یا کم درجہ مشہور و گمنام ہونیکو کچھ دخل نہیں ہے۔

آدمی کو اگر خود عقل و تمیز ہے تو برائی کی صحت و سقم کو خوب پہچان سکتا ہے اگرچہ رائے دینے والے کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

النصح ارخص ما باع الرجال فلا	ترود علی ناصح نصحا ولا تلم

سب سے ارزاں چیز جس کو لوگ فروخت کرتے ہیں نصیحت و خیر خواہی ہے تجھ کو چاہیئے کہ کسی ناصح کی نصیحت کو رد کرے اور نہ اسکو ملامت کر[1]

ان النصائح لاتخفی مناھجھا	علی الرجال ذوی الالباب والفھم

نصیحت و خیر خواہی کے طریقے دانشمند اور زیرک سے مخفی نہیں رہتے۔

[1] اگلے صفحہ کو دیکھیئے۔

(۸) ان سب مراحل کے بعد جب باہمی مشاورت سے ایک امر منقح ہوجائے معاملہ کے تمام پہلو واضح ہوجائیں۔ ہر ایک صورت کے حسن و قبح پر کافی روشنی پڑ جائے تو اب مستشیر کا فرض ہے کہ طے شدہ اور منقح رائے پر عمل کرنے میں لیت و لعل کو دخل دے کر اجرا و نفاذ میں دیر نہ کرے۔ مشورہ کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ معاملہ کے تمام پہلو پیش نظر ہوجائیں تصویر کے دو رخ بھی سامنے آجائیں جو فرادی نظروں سے مخفی و مستشیر تھے اور جو معاملہ کے تمام پہلو واضح ہوگئے تو مشورہ کے نتیجہ تک اسیوقت پہنچا جا سکتا ہے جب اس پر عمل بھی کیا جائے۔ ہر ایک تدبیر اور عمل کا ایک وقت ہوتا ہے ممکن ہے کہ مشورہ کے اندر جن پہلوؤں اور جن اسباب و ذرائع اور جن حکم و مصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے ان کا وقت نکل جائے گا۔ عاقل کا کام یہ ہے کہ مشورہ سے جس قدر جلد ممکن ہے فائدہ اٹھائے مستشیر اگر بعد وضوح رائے واستقرار مشورہ خواہ مخواہ تردد میں پڑ جائے۔ یا عمل میں تاخیر ہوئی تو وہ خود اپنے لئے ہلاکی و بربادی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ایک بادشاہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کی سلطنت کس طرح زائل ہوئی کہا۔

لہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو رائے دینے کا شوق ہوتا ہے اور اگرچہ ان کو محتاج مشورہ سے قبولیت و شکریہ کی توقع نہ ہو جب بھی سبقت کو بیٹھے ہیں۔ مگر تم کو ایسی حالت میں ان کے مشورہ کو تہمت سمجھ کر رد نہ کرنا چاہیئے اور نہ اس سبقت پر یا بلا سوچے سمجھے رائے دینے پر ملامت کرنا چاہیئے ہاں یہ بھی ضرور نہیں کہ اس رائے پر عمل کیا جائے یہ خود سوچنے سمجھنے کی بات ہے کہ منشا مشورہ کا نصح و ہمدردی ہے یا نہیں۔ اور با وجود نصح کے یہ رائے قابل عمل ہے یا نہیں ۱۲ منہ

تاخیر عمل الیوم لغد آج کا کام کل پر کرنے سے،

ایک شاعر کہتا ہے :-

اذا کنت ذا رای فکن ذا عزیمۃ | ولا تک بالتردد للرای مفسدا

جب تو صاحب رائے ہے تو تجھکو صاحب عزم بھی ہونا چاہیئے بلاوجہ تردد کر کے طے شدہ رائے کو اپنے تردد سے فاسد مت کرنا

فانی رایت الریث فی العزم ھجنہ | وانفاذ ذی الرای العزیمۃ ارشدا

کیونکہ عزم میں ڈھیل دینا عیب و نقصان ہے اور رائے کا نافذ و جاری کرنا رشد و بھلائی ہے

حاصل یہ ہے کہ مشورہ کے برکات سے جب ہی مستفید اور منتفع ہو سکتا ہے جبکہ عزم راسخ و ہمت قوی سے اس کا اجراء و نفاذ بھی کرے۔ اگر بعد وضوع رائے شکوک و شبہات اور احتمالات بعیدہ نکالنے کے تخیلات میں پڑ جائے یا عمل میں تاخیر و تعویق کرے تو ہرگز اس کی برکات سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ شخص اس حالت سے زیادہ نفرین کے قابل ہو گا۔ جیسا کہ بلا مشورہ کام کر بیٹھتا۔ کیونکہ اس حالت میں نفرین کیوجہ سے صرف یہی تھی کہ اس نے اپنی رائے کو قابل اعتماد اور وثوق سمجھا اور تبادلۂ آراء کے وقت رائے کے ثمرات سے محروم رہا اور یہ ایک درجہ عدم علم کا ہے۔ جس میں آدمی کسی وقت بھی معذور سمجھا جاتا ہے۔ اور اس حالت میں چند وجوہ سے قابل سرزنش ہے۔ اول تو اس درجہ سے کہ باوجود علم اور انکشاف کے تردد و شک میں پڑا۔ جو ایک قسم کا جحود و انکار ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اس نے عزیمت و ہمت سے کام لے کر فی الفور مشورہ کے ثمرات سے نفع نہ اٹھایا۔ ممکن ہے کہ جس مناسبت سے مشورہ طے ہوا ہے اس کا وقت نکل جائے۔ تیسرے

یہ کہ آج کے کام کو کل پر رکھنے سے اپنی کاہلی سستی اور تغافل کا ثبوت دیا جو فی نفسہ مستقلاً مہلک مرض ہے۔

مشیر کے فرائض و آداب (۱) مشورہ کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے اندر شرائط و اوصاف مذکورہ پائے جائیں مشیر کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے درجہ اور قابلیت کو سمجھے۔ اگر وہ اوصاف اسمیں نہیں ہیں جن کا وجود مشیر کے لئے لازم ہے تو اس کو چاہیئے کہ اس بار امانت کے تحمل سے فوراً انکار کر دے کیونکہ دو ہی حالتیں ہیں۔ یا تو یہ کہ وہ اپنے متصف باوصاف نہ ہونے کو سمجھتا ہے اور باوجود سمجھنے کے خواہ مخواہ پھر دوسرے کا بار اپنی گردن پر اٹھاتا ہے یا نہیں سمجھتا پہلی صورت میں تو وہ دغا باز حیلہ ساز، مکار اور فریبی سمجھا جائے گا۔ مستشیر کا تو جبکہ اس نے اپنے علم وخیال کے موافق اس کو اہل مشورہ سمجھ کر معاملہ کو اس کے سپرد کیا ہے کچھ قصور نہیں۔ اب جو کچھ الزام یا قصور ہے وہ صرف مشیر کی گردن پر ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کا جہل جہل مرکب ہوگا۔ کہ اپنے جاہل ہونے کو کبھی نہیں سمجھتا۔ غرض مشیر کے ذمہ واجب ہے کہ جب کوئی شخص اپنے معاملات کی باگ اس کے ہاتھ میں دے کر خود سبکدوش بنتا ہے تو وہ اپنی حالت کا اندازہ کرے کہ آیا مجھ میں وہ اوصاف موجود ہیں جو عموماً مستشیر کے لئے شرط ہیں۔ یا باوجود اوصاف مذکورہ میں موجود ہونے کے خاص اس معاملہ میں جو پیش کیا گیا ہے رائے دینے کے قابل سمجھے تو اس بار کو اٹھائے ورنہ انکار کر دے۔

(۲) جبکہ مستشیر نے اپنے مہام امور کی باگ مشیر کے ہاتھ میں دیدی اور اپنی نجاح و فلاح خیبت و خسران کا مدار اس کی رائے و مشورہ پر رکھا۔ تو مشیر کا فرض ہے کہ اپنی ممکن کوشش تنقیح رائے و توضیح طریق میں صرف کرے۔ اور جو رائے اس کے نزدیک اصوب و انسب معلوم ہو۔ اس کو اخلاص نیت صفائی طینت کے ساتھ مشیر کے سامنے ظاہر کرے اور ممکن سے ممکن طریقہ سے اس کی ہمدردی و دلسوزی کو اپنا فرض سمجھے۔

یہ نہایت صریح ظلم ہے کہ ایک شخص اس پر اعتماد کرتا ہے اور وہ سرسری غور و فکر سے اس کو مشورہ دے کر ورطۂ ہلاکت میں ڈالتا ہے اور خود اس نعمت عظمیٰ کے شکر سے کہ مخلوق اس کو اس قابل سمجھتی ہے کہ مشکلات کے وقت ان کی عقدہ کشائی کرے۔ محروم رہ کر اپنے نفس کو مستوجب سلب نعمت بناتا ہے اور یہ اس سے بڑھ کر ظلم ناۃ نفس و کمینہ پن ہے کہ مشورہ میں اس کی خیر خواہی کو مدنظر نہ رکھ کر ایسے امر کا مشورہ دے جو صریحًا اس کے نزدیک بھی مضر ہے۔ جس سے مستشیر کی امیدیں تمام پامال امنگیں پژمردہ اور تمام خیالات ملیامیٹ ہوتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان من حق المسلم علی المسلم | اذا استنصحہ ان ینصحہ

منجملہ ان حقوق کے جو ایک مسلمان کے دوسرے پر ہیں ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ تجھ سے طالب نصح و ہمدردی ہو تو اس کی خیر خواہی کرے۔

یہ مضمون تو خاص مسلم کیساتھ ہمدردی و خیر خواہی کا ہے۔ لیکن اس سے

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ غیر مسلم کے ساتھ ہمدردی ضروری نہیں یا اس کے خلاف دیانتہ مشورہ دینا جائز ہے۔ دوسری حدیث اپنے مفہوم میں عام ہے کہ مشیر پر ہر مستشیر کی خیر خواہی واجب ہے۔ خواہ وہ مسلم ہو یا کافر جناب رسول اللہ صلعم ارشاد فرماتے ہیں۔

المستشار مؤتمن | جس سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ امین بنایا گیا ہے۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین بنایا گیا جس طرح امین کو امانت میں خیانت جائز نہیں ہے اسیطرح مستشار کو مشورہ میں خیانت حرام ہے اس کے ذمہ واجب ہے کہ جو امر اس کے خیال میں بہتر سے بہتر ہے اس کا مشورہ دے۔ اور اگر اس معاملہ سے اس کی غرض بھی متعلق ہے۔ اور صاف و صریح مشورہ دینے میں اس کو اپنی مضرت اور فوت مقصود کا اندیشہ ہے تب بھی اس کے ذمہ یہی واجب ہے کہ اپنے منافع کا خیال نہ کرکے صحیح مشورہ دینے میں کوتاہی نہ کرے اور ایسا کرنا اس کی کمال دینداری۔ تقویٰ اور انسانیت کی دلیل ہے اور اس کی ایثار نفسی اور حوصلہ مندی کا ثبوت ہوگا۔ لیکن اگر اس کی اخلاق کمزوری اس کی اجازت نہیں دیتی اور وہ اپنے منافع کو ضائع کرنا کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا تو ایسے شخص کو چاہیئے کہ اول ہی وہلہ میں مشورہ دینے سے انکار کردے۔ تاکہ مستشیر اس پر مطمئن نہ رہے۔ اور کسی دوسرے سے مشورہ کرے اسی مضمون کو سلیمان ابن رربید نے اس طرح ادا کیا ہے۔

و اذا اخاك اذا استشارك | جب تیرا کوئی بھائی طالب ہمدردی ہوکر

ناصحاً و علیٰ اخیک نصیحۃ لا تردد | تجھ سے مشورہ کرے تو تجھ کو مشورہ دینا ضروری ہے

لیکن اس کے ساتھ حدیث بالا سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب مستشار امین ہے اور اس وجہ سے مشورہ میں خیانت یا ہمدردی میں کوتاہی ناجائز ہے تو مقتضا اس امانت کا یہ ہے کہ اس مشورہ کا افشاء اور اظہار بھی نہ کرے۔ تاوقتیکہ خود مستشیر کی جانب سے اس کی اجازت نہ ہو۔ یا اس کے علم و یقین کے موافق اس کا اظہار مضر نہ ہو۔ ورنہ اس کا افشاء و اظہار بھی خیانت و بدعہدی میں داخل ہو گا۔ اور یہ شخص مرتکب معصیت کبیرہ کا ہو گا۔

رہی یہ بات کہ جب مستشار امین ہے اور اس کے ذمہ ہر مستشیر کی خیرخواہی واجب ہے خواہ مسلم ہو یا کافر۔ تو پھر حدیث اول میں مسلم کی تخصیص کیوں اور کیسے ہے۔ اگر یہ عام انسانیت کا حق ہے تو پھر مسلم کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے

جواب اس کا یہ ہے کہ ایک حق عام ہوتا ہے۔ اور ایک خاص۔ اور یہ عموم اور خصوص تعلقات کے عموم و خصوص پر متفرع ہے۔ حدیث ثانی میں عام تعلقات کی بنا پر عام حق کو بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث اول میں علاوہ تعلق انسانیت کے خاص تعلق اسلام کا ملحوظ رکھ کر اس کو خصوصیت کے ساتھ بطور تاکید ارشاد فرمایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عام تعلقات انسانی کی حالت میں در صورت عدم نصح جس قدر مواخذہ ہو گا۔ اس سے بدرجہا زائد خاص تعلق اسلامی کی حالت میں عدم نصح و ہمدردی میں ہو گا اور پھر خصوصیت تعلقات اسلام ہی کی حد پر منتہی نہیں ہوتی۔ اسلام کے بعد اور بھی خصوصیت ہیں جو ہمدردی کے وجوب و تاکد کو اسی طرح بڑھاتی چلی جاتی ہیں۔ مثلاً والدین کا تعلق اساتذہ

کا تدلق جار کا تعلق وغیرہ وغیرہ۔ غرض جتنے مقتضا ہمدردی و دلسوزی بڑھتے جائیں گے اتنا ہی درصورت عدم موانذہ بڑھتا جائے گا۔ لیکن با اینہمہ تمام تعلق کی حالت میں جو ہمدردی اس پر واجب ہے اس میں کمی نہ ہوگی۔ وہ بحال خود باقی رہیگی

(۳) جب کسی شخص کا عقل و تجربہ تسلیم کرلیا جاتا اور لوگ عموماً اسکی اصابت رائے کے قائل ہو کر اس پر اطمینان کرنے لگتے ہیں تو حسب تقاضائے فطرۃ انسانی اکثر و بیشتر ایسے افراد میں ایک قسم کا عجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمارے منہ سے جو بات نکلتی ہے درست ہوتی ہے۔ اور جو مشورہ دیتے ہیں بالکل مطابق واقع ہوتا ہے۔ اس مرض کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو یہ شخص غور و فکر کو اپنے لیئے ننگ و عار سمجھنے لگتا ہے۔ اور بلا سوچے سمجھے مشورہ دینے کو کافی خیال کرلیتا ہے۔ دوسرے تمام دنیا کی آرار کو اپنے مقابلہ میں ہیچ اور ناقابل التفات سمجھنا اور خیال کرنا رائے کو حقیر اور دوسروں کو نادان و ناتجربہ کار جانتا ہے۔ یہ حالت سچ پوچھیئے تو اس کو اوج عزت سے قعر ذلت میں گرا دینے والی ہے اور یہ اس سے بھی زیادہ مضر ہے کہ آدمی خود رائے اور استقلال سے بلا مشورہ کام کر بیٹھے۔ کیونکہ یہ شخص اپنے معالہ میں غور و فکر تو تھوڑی کرلیتا ہے اور مشیر اس حالت میں پہنچکر اول تو خودرائے اور مستبد بن گیا دوسرے اپنی سرسری رائے کو بھی قابل وثوق و اعتماد سمجھنے کی وجہ سے تمام پہلوؤں کا خیال نہ کیا۔

جب مشیر کی حالت یہ ہو تو فرض ہے کہ ایسے شخص سے نہ مشورہ کرے اور نہ اسکو قابل اعتماد سمجھے۔ اور اگر مستشیر اس کے مرض پر مطلع نہ ہونے یا کسی اور وجہ سے اس پر اعتماد کر بیٹھا تو مشیر پر لازم ہے کہ اپنے اس مرض کا ازالہ کرکے مشورہ دینے

پر آمادہ ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اس کے ذمہ ضرور ہے کہ مشورہ دینے سے انکار کر دے۔ یا کم از کم اتنا کہدے کہ کسی دوسرے سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ ورنہ اس مشورہ کے جو کچھ برے نتائج ظاہر ہوں گے اُنکا جوابدہ و ذمہ دار مشیر ہوگا۔ اور مستشیر نے انتخاب میں کوتاہی کی ہے تو وہ بھی اس ذمہ داری میں حصہ دار رہے گا۔

(۴) مشیر کو یہ بھی مناسب ہے کہ مشورہ دینے میں سبقت نہ کرے۔ یعنی جب تک کہ اس سے مشورہ طلب نہ کیا جائے خود اقدام کر کے مشورہ نہ دے۔ اس صورت میں چند نقصان ہیں۔ ان کی رائے بے وقعت معلوم ہوگی۔ اس طرح بلا دریافت مشورہ دینے میں متہم سمجھا جائیگا۔ خیال کیا جائے گا کہ اسکی کوئی ذاتی غرض اس سے متعلق ہے اسلئے تا وقتیکہ مستشیر کی جانب سے رغبت طلب اور اظہار اعتماد نہ ہو زبان نہ ہلائے۔

طرفہ کہتا ہے ؎

ولا ترفدن النصح من ليس اهله	وكن حيث يستغني برايك غانيا

نااہل کیلئے اپنی ہمدردی خرچ مت کر جو شخص تیری رائے سے استغناء کرے تو بھی اس سے بے پرواہ ہو جا

وان امرأ يوما تولى برايه	فدعه يصيب الرشد اوليك غاويا

اور اگر کوئی رائے اپنی کا خود متولی بنے تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے خواہ ہدایت پائے یا گمراہ رہے۔

حضرت حذیفہؓ ابن الیمان روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا۔

قال لقمان لابنه يا بنى اذا	لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تم سے شہادت طلب
استشهدت فاشهد	کی جائے تو شہادت دو۔ اور جب کوئی امداد چاہے تو
اذا استعنت فاعن واذا	اعانت کرو۔ اور جب کوئی طالب مشورہ ہو تو بلا غور و فکر

استشرت فلا تعجل حتی تنظر | جلدی سے مشورہ نہ دو۔

بہن کلابی اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے ؎

من الناس من ان یستشیرک فتجھد | بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب وہ طالب مشورہ
لہ الرای یستغششک مالا تتابعہ | ہوں اور تو جدوجہد سے ان کو رائے دے اگر

تو ان کی موافقت نہ کرے تجھ کو متہم سمجھتے ہیں۔

فلا تمتحن بالرائی من لیس اہلہ | فلا انت محمود ولا الرای نافعہ

ایسی حالت میں نااہلوں کے سامنے اظہار رائے نہ کرنا چاہیئے کیونکہ نا تو قابل شکر گزاری ہوگا اور نہ رائے نافع ہوگی۔

البتہ اگر مشیر یہ سمجھے کہ کوئی شخص غلط راہ چلنے سے ہلاکی ہیں) مبتلا ہوا چاہتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اگر میں نے سکوت کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جا یئگا تو اس وقت اسکو خود بڑھ کر اظہار رائے کرنا اور صحیح راستہ بتلانا نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ اس کو بے وقعت سمجھے اور اس کی رائے کو نظر انداز کر دے یا اس پر عمل کرے۔

وگر بینی کہ نابینا و چاہ است | اگر خاموش بنشینی گناہ است

یہ ایسی ہی بات ہے کہ ولایت و حکومت کی خواہش کرنا ممنوع اور مذموم ہے لیکن اگر کسی حالت خاص میں اس کو یہ یقین ہو جائے کہ موجودہ حالت کی اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت کی باگ میرے ہاتھ میں ہو تو ایسے وقت اس کو طلب حکومت جائز ہے۔ حضرت یوسف علیہ وسلم نے اسی بنا پر فرعون سے فرمایا تھا۔ اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم

(۵) مشیر کو یہ بھی مناسب ہے کہ جب ایک جماعت مشورہ کیلئے جمع ہو تو یہ شخص اپنی رائے کے اظہار میں پیش قدمی نہ کرے۔ بلکہ اول اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور عقلاء کو موقع دے۔ تاکہ دوسروں کی رائے سن کر اس کو بھی بہتر رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ معاملہ کے پہلو گفتگو کے بعد واضح ہوتی ہیں اور آدمی علم کے بعد گفتگو کرے اس سے بہتر ہے کہ ظن و تخمین معلومات پر اظہار رائے کر دے جسکا انجام سوائے ندامت و خجالت یا رائے کے کمزور و تعلیل عمل ہونے کے کچھ نہیں ہے۔

ابن ہبیرہ نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور کہا۔

لا تکونن اول مشیر	تو سب سے پہلے مشیر نہ بن

لیکن یہ امر استحسانی ہے۔ اگر اس کو ایسا موقع مل جائے تو اس کے لئے بہتر ہے اور اگر سارے مشیر اسی انتظار میں سکوت کئے بیٹھے رہیں تو ظاہر ہے کہ غرض مشورہ فوت ہو جانے سے مستشیر کا نقصان عظیم اور مشیروں کیلئے سخت مذموم ہے۔ ایسی حالت میں سکوت نہ کرنا چاہیئے۔

(۶) مشیر کو چاہیئے کہ ایسے شخص کو مشورہ دینے سے بچے جس کی نسبت اس کو یقین ہے کہ کسی مشورہ کو نہیں مانتا۔ اس کی غرض محض امتحان ہوتی ہے ایسے شخص کو مشورہ دینا ہرگز مفید نہیں ہے۔ اور اپنے لئے موجب ندامت و خجالت ہے۔ ابن ہبیرہ نے جو نصائح اپنی اولاد کو کیں اس میں یہ بھی ہے۔

ولا تشر علی مستبد فان التماس موافقتہ لوم واستماع	کسی خودرائے اور مستقل الرائے کو مشورہ نہ دینا چاہیئے کیونکہ ایسے شخص سے موافقت کرنا دنائۃ

منہ خیانۃ۔ ہیں اور اسکی بات سننا خیانت میں داخل ہے

مشاورت کے طریقے اور اس کے آداب

مشورہ کی کل دو ہی صورتیں ہیں کسی ایک شخص قابل اعتماد کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کر کے طالب رائے ہو۔ یا یہ کہ جماعت عقلاء ارباب فہم و دانش کے سامنے کسی مبہم و مشکل معاملہ کو بغرض تنقیح رائے پیش کیا جائے۔ صورت اول میں تو صرف اتنی ہی بات کافی ہے کہ مشیر اپنی رائے و فہم کی موافق ہمدردی اور دلسوزی سے رائے ظاہر کر دے البتہ صورت ثانیہ میں جبکہ مشیروں کی ایک جماعت سے تبادلہ آراء و خیالات کیا جائے اور ایک امر بغرض مشورہ جماعت کے سامنے پیش کیا جائے چند امور قابل بحث و تفتیش ہیں۔

(۱) اظہار کا طریقہ کیا ہونا چاہیے۔

(۲) درصورت اختلاف آراء مشیروں کا فرض کیا ہے۔

(۳) آیا اس جماعت سے ایک مجلس میں جمع کر کے مشورہ کرنا بہتر ہے ہر ایک سے جدا گانہ۔

اول امر کی توضیح یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ ایک جماعت عقلاء و مدبرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تو ان میں سے ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے کہ اپنی رائے آزادانہ بلا رو و رعایت و بلا خوف لومۃ لائم ظاہر کرے یہ خیال نہ کرے کہ میری رائے کسی کے منشا کے خلاف ہونے کی صورت میں انگشت نما ہو سکتا ہوں۔ یا یہ کہ میری رائے کا ضعف ظاہر ہونے میں لوگ مجھے حقیر اور میری رائے کو ناقابل اعتماد سمجھیں گے۔ یا مجھ پر سے اعتماد اٹھ

جائے گا اور میری نسبت جو عقل و تجربہ ہوشمندی و برتری کا خیال قلوب میں راسخ ہے زائل ہو جائے گا۔ کیونکہ ان خیالات کا پابند ہونا اظہار رائے میں سکوت کرنا۔ یا کسی ایک جماعت کی رعایت کر کے آزادی کے ساتھ اپنی کامل اور محقق رائے کو نہ ظاہر کرنا ایک درجہ کی خیانت میں داخل ہے جس سے احتراز رکھنا مشیر کے اولین فرائض میں سے ہے۔ دوسرے یہ کہ مشاورت اس غرض کے لئے ہوتی ہے کہ معاملہ کے سب پہلو اور تدبیر کے سب طریقے معین و مشخص ہو جائیں اور یہ جبھی ممکن ہے کہ ہر شخص اپنے خیال کو بلا تکلف آزادی کیساتھ ظاہر کر دے اس غرض کیلئے نہیں ہوتی کہ ہر شخص کی رائے کا اتباع کیا جائے۔

کبھی اظہار رائے سے یہ امر بھی مانع ہو جاتا ہے کہ مجلس شوریٰ میں چھوٹے بڑے طبقہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً استاد و شاگرد۔ پیر۔ مرید۔ باپ بیٹا۔ علی ہذا عقل و تجربہ عمر وغیرہ کے اعتبار سے طبقات و مدارج کا فرق ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص قابل اعتماد سمجھ کر اس مجلس کا امین بنایا گیا۔ تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ آداب مجلس و اہل مجلس کو ملحوظ رکھ کر پوری طرح اظہار رائے کر دے۔ ورنہ وہ خائن و بد دیانت سمجھا جائے گا۔

اور جسطرح کہ مجلس مشاورۃ میں اپنی رائے کا اظہار آزادی و مطلق العنانی کے ساتھ ضروری ہے اسی طرح دوسروں کی رائے اور ان کے دلائل کو بغور سننا بھی اس کے ذمہ لازم ہے۔ اول تو یہ امر آداب مجلس میں داخل ہے کہ جب کوئی دوسرا کلام کرے تو یہ شخص ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات سنے یہ بات کہ آدمی خود کلام کرے تو دوسروں سے بتوجہ تام کان لگانے کا متوقع رہے اور دوسرا کلام کرے تو خود

متوجہ نہ ہو اور اب مجلس بلکہ تقاضائے انسانیت کے خلاف ہے خود اپنے ہی اوپر قیاس کرے کہ اس کی گفتگو کے وقت دوسرا متوجہ نہ ہو تو اس پر کیا گزرتی ہے اس کو کلام کا پورا کرنا کتنا دشوار ہو جاتا ہے۔ سننے والے کی بے توجہی سے نشاط زائل ہو جاتا ہے۔

حضرت[1] عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لجليسي علي ثلاث ان ارمقه بطرفي اذا اقبل وان اوسع له اذا جلس وان اصغي اليه اذا حدث

ہمنشیں کے تین حق مجھ پر ہیں جب وہ سامنے ہو تو میری نگاہ اس کی طرف لگی رہے جب وہ بیٹھے تو اس کے لئے جگہ چھوڑ دوں جب وہ گفتگو کرے تو کان لگاؤں۔

حکماء[2] کا قول ہے۔

راس الادب كله الفهم والتفهم والاصغاء للمتكلم۔

ادب کا راس یہ ہے کہ خود صاحب فہم ہو۔ دوسرے سے سمجھنے کی کوشش کرے گفتگو کرنیوالے کے سامنے کان لگائے

امام شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قوم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

ما رايت مثلهم اشد تناوبا في مجلس ولا احسن فهما من محدث۔

میں نے ان لوگوں سے زیادہ باری باری مجلس میں گفتگو کرنے والے کی بات کو سمجھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔

اسی طرح عبدالملک بن مروان نے خلیفہ مروانی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

والله ما علمته الا اخذ بثلاث

خدا کی قسم میرے علم میں وہ تین باتوں کو

[1] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۰۹ - ۱۲ [2] عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹۱ [3] عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹۲

تارکًا لثلاث اخذ الحسن الحدیث اذا حدّث وحسن الاستماع اذا حُدِّث وبایسر المؤنة اذا خولف تارکًا لمجاوبة اللئیم وممارات السفیہ ومنازعة اللجوج	مضبوطی سے نھامنے والے - اور تین امور کا تارک تھا جب کسی سے بات کرتا تو نہایت لطافت وخوبی سے کرتا جبکوئی اس سے بات کرتا تو کان لگا کر سنتا جب کوئی اس کے خلاف کرتا تو سہل سے سہل تنبیہ اس کو کرتا - دنی وکمظرف لوگوں کے سوال و جواب کم عقلوں کے ساتھ مخالفانہ بات کرنے

٭ - ٭

ہٹی اور لجاجت کرنے والوں کے ساتھ جھگڑنے والوں سے پرہیز کرتا تھا -

بعض حکماء نے اپنے فرزند کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا -

یابنی تعلم حسن الاستماع کما تعلم الحدیث ولیعلم الناس انك احرص علی ان تسمع منك علی ان تقول -	بیٹا تم کو اچھی طرح سننا بھی اسی طرح سننا چاہیئے جیسے اچھی طرح بات کرنا لوگ یہ سمجھیں کہ تم کو اپنے بولنے سے دوسروں کے سننے کا زیادہ شوق ہے -

حضرت حسن بصری رضؓ فرماتے ہیں -

حدثوا الناس ما اقبلوا بوجوھکم -	لوگوں سے اس وقت تک گفتگو کرو جب تک تمہاری طرف متوجہ رہیں -

اہل علم وحکمت کے ان کلمات میں سے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں یہ بھی ہیں -

من حسن الادب ان لا	حسن ادب میں یہ بھی ہے کہ کسی کی گفتگو پر

لہ، سے عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹۴ - ۱۲

تغالب احد اعلى كلامه وإذا سئل غيرك فلا تجب عنه وإذا حديث بحديث فلا تنازعه إياه ولا تقتحم عليه ولا تره انك تعلمه وإذا كلمت صاحبك فاخذته حجتك فحسن مخرج ذلك عليه ولا تظهر الظفر به وتعلم حسن الاستماع كما تعلم حسن الكلام -

پر اپنی غالب آنے کی کوشش نہ کرے۔ اور جب کسی دوسرے سے پوچھا جائے تو خود مجیب نہ بننا چاہیئے اور جب کوئی بات بیان کرے تو درمیان میں بحث نہ کرے اور نہ اس میں دخل دے اور نہ اس کو یہ جتلائے کہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے اور اگر گفتگو میں تو غالب آجائے تو اپنے دوست کی بات بنانے کی کوشش کرے اس پر غصہ و فتحمندی کا اظہار نہ کرے۔ تجھ کو بات کا اچھی طرح کان لگا کر سننا بھی ایسے ہی سیکھنا چاہیئے جیسے اچھی طرح بات کرنا۔

جب آداب مجلس میں یہ امر داخل ہے تو اس کا بے توجہی سے سننا خلاف تہذیب خلاف آداب مجلس خلاف انسانیت ہوگا۔

دوسرے یہ کہ جب وہ اوروں کی رایوں کی طرف توجہ والتفات نہ کرے گا تو علاوہ اس کے کہ اس سے اس کا اپنا عیب اور رائے کی ایسی وقعت ظاہر ہوتی ہے کہ دوسروں کی رائے کو قابل التفات بھی نہیں سمجھتا۔ بڑی مضرت یہ ہوگی کہ متکلم کا نشاط جاتا رہیگا اور جس طرح روانی اور آزادی سی وہ اظہار رائے کرتا تھا۔ اس سے رک جائے گا۔ اور جب ممبران مجلس کیطرف سے اظہار رائے پوری طرح نہ ہوا تو مشورہ ناقص اور مجلس مشاورت

مشاورت ناقص ہوئی۔ اور اس نقصان مشورہ اور عدم کامیابی مجلس کا بوجھ اس شخص کی گردن پر پڑا اور یہ اس نصح وہمدردی کے بالکل خلاف ہے جو مشیر کے ذمہ واجب تھی۔

تیسرے یہ کہ متکلم کے کلام میں بہت سے فوائد ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف اس کا ذہن منتقل نہیں ہوتا ممکن ہے کہ معاملہ کے بعض پہلو اس سے مخفی اور مستتیر رہے ہوں اور بعض رموز و دقائق تک اس کی نظر نہ پہنچی ہو۔ اگر یہ شخص دوسرے کے کلام کو توجہ تام اور میلان قلب کے ساتھ نہ سنے گا تو خود بہت سے فوائد و نکات سے محروم رہے گا۔ جس کا نقصان اس کی ذات کو پہنچیگا اور اس زیور فضل سے محروم رہے گا۔ جو بہت سے تجربوں کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ خداوند عالم جل و مجدہٗ نے مومنین کے اس وصف خاص کی مدح اپنے کلام پاک میں اس طرح فرمائی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ	جو لوگ کہ سنتے ہیں قول کو پس اتباع کرتے
فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ	ہیں اس میں سے بہتر کا۔

غرض بوجہ مذکورہ بالا مشیر کے ذمہ ضروری ہے کہ باقی ممبران مجلس شوریٰ کے کلام غور و توجہ سے سنے ایسا نہ ہو کہ اپنی رائے پر کامل اعتماد کر کے دوسروں کی رائے کو بالکل حقیر سمجھے۔

امر دوم کا بیان یہ ہے کہ اگر مجلس شوریٰ میں ممبران مجلس کی رائے باہم مختلف ہیں تو کسی ممبر کو اپنی رائے پر اصرار کا حق نہیں ہے ان کا فرض یہ ہے کہ ہر ایک رائے کی دلیل و حجت کو کان دھر کر سنیں اور اپنے دل میں غور کریں

تاکہ مفید رائے کا انکشاف ہو جائے۔ اور وہ اس قابل ہو جائیں کہ اختلاف رائے سے کوئی صحیح نتیجہ نکال سکے۔ اگر ایسا نہ ہوگا بلکہ ہر شخص اپنی رائے کو قابل اعتماد سمجھیگا۔ اور دوسروں کو حقیر تو اس میں منازعت و مجادلت کی نوبت آئے گی اور انجام اس کا باہمی مخالفت۔ بغض و عداوت کے سوا کچھ نہ ہوگا اور یہ مجلس بجائے مفید ہونے کے سخت مضر ہو جائے گی۔ اختلاف محمود امر ہے معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر بغیر اختلاف رائے روشنی نہیں پڑتی مگر اس وقت جبکہ ہر شخص اپنے خلاف رائے کو ٹھنڈے دل سے سنے اور غور کرے اگر اس کے نزدیک وہ رائے صحیح ہے تو اس کو تسلیم کرنے میں خود اس کی اخلاقی کمزوری مانع نہ آئے اور غلط ہے تو تہذیب و متانت کے ساتھ اس کے ضعیف اور غیر مفید ہونے کو ظاہر کرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو مشاورت کے بار امانت سے سبکدوش نہ ہوگا۔ اور وہ بجائے امین ہونے کے خائن و بد دیانت سمجھا جائیگا۔

امر سوم کی تفصیل یہ ہے کہ کسی معاملہ میں ایک جماعت سے مشورہ کرتا ہے تو ہر ایک سے جدا جدا مشورہ کرے یا ان کو ایک جا جمع کرکے معاملہ کو پیش کرے اور رائے لے۔

ہر ایک صورت میں بعض منافع خاص ہیں اور بعض مضرتیں جدا جدا رائے لینے میں منافع ضرور ہے کہ ہر شخص میں خوب سوچ سمجھ کر رائے قائم کرلے گا۔ اس کو موقع ملے گا کہ طبیعت کو یکسو کرکے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر ڈالے۔ اور بات کی تہہ کو پہنچ سکے۔ کیونکہ اس حالت میں صرف اسی کے اوپر اس کا بار ہے۔ اس کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اصابت رائے

اور نوزمرام کا سہرہ مبرے ہی سہر بندھے تو اچھا ہے اور خلوت و فراغ قلب کی حالت میں آدمی جسقدر تدبر و تفکر سے کام لے سکتا ہے ہجوم اجتماع کے وقت نہیں لے سکتا - اور پھر بلا کسی قسم کی رعایت یا رعب مجلس بلحاظ اہل مجلس کے اپنی رائے بے تکلف ظاہر کر دے گا - لیکن اس میں یہ نقصان بھی بڑا ہے کہ اجتماع کے بعد بحث و مباحثہ سے جتنے پہلو واضح ہو سکتے ہیں وہ اس صورت میں نہیں ہو سکتے - علاوہ اس کے مختلف آرار میں سے صحیح نتیجہ نکالنا اور ایک رائے کو قابل عمل قرار دے کر باقی آرار کو متروک و مترد اور ناقابل عمل سمجھنا صرف شخص واحد یعنی مستشیر کا کام ہوگا جو تنہا ہرگز اس اہم ذمہ داری کا متحمل نہیں قرار دیا جا سکتا - اور اگر ایک ہی شخص کو اس ذمہ داری اہم کیلئے کافی سمجھ لیا جائے گا تو اس کا نقصان بھی قریب قریب اس کے ہوگا جیسا کہ وہ تنہا مستقل و مستبد ہو کر عمل کرتا اور جمع کر کے مشورہ کرنے میں فائدہ خاص تو یہ ہے کہ معاملہ کے تمام پہلو واضح ہو جاتے ہیں - مضر و مفید جوانب کی خوب تنقیح ہو جاتی ہے لیکن مجلس میں اول تو ہر شخص کی طبیعت پر بوجھ نہیں پڑتا اجتماع اختلاط اور غوغاء مجلس تشتت خیالات و پریشانی قلب کے سبب بن جاتے ہیں اور یہ سمجھ کر بہت سے مشیر جمع ہیں اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی کہ زور طبیعت لگا کر کوئی نتیجہ خیز بات نکالی جائے بلکہ بسا اوقات بہت سے اشخاص دوسروں پر حوالہ کر کے خود بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں رائے کے حسن و قبح میں کچھ دخل نہیں دیتے اور پھر درصورت رائے زنی باہم

تحاسد۔ تفاخر۔ مشاجرۃ و مخاصمۃ کا احتمال غالب ہوتا ہے اور یہ بھی بسا اوقات پیش آتا ہے کہ بعض افراد رعب مجلس یا اہل مجلس کیوجہ سے رائے زنی میں آزاد نہیں رہتے خصوصاً جبکہ مجلس میں حاکم ومحکوم زانو بزانو جمع ہوں۔ محکوم کو مشکل ہو جاتی ہے کہ حاکم کی رائے سے اتفاق کرے یا اختلاف۔ اس کا ضمیر تو موافقت کی اجازت نہیں دیتا۔ اور رہیبۃ وخوف مخالفت سے مانع آتے ہیں۔ ایسی حالت میں مشورہ سے کسی مفید نتیجہ کا نکلنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اہل مجلس میں ایک قسم کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس کا اثر نہ صرف اس معاملہ کے ناقص رہ جانے تک محدود رہتا ہے بلکہ اور معاملات تک جا پہنچتا ہے۔ دونوں صورتوں کے دونوں پہلو نفع و نقصان کو خیال کرکے عقلاء نے کسی ایک جانب کو ترجیح دی ہے۔ اہل فارس تو مشاورۃ کیلئے انعقاد مجلس کو پسند کرتے تھے تاکہ ہر شخص اپنی رائے بے تکلف ظاہر کر دے اور دوسرا اس کے نقصان کے بیان میں تردد سے کام لے اور اسطرح جس جانب جو حسن وخوبی ہے یا جو خلل ونقصان ہے ظاہر ہو جائے اور تمام پہلو مجمع عام میں روشن ہو کر امر صواب منقح ہو جائے۔

اہل فارس کے سوا دوسری قومیں تنہائی وخلوت میں جداگانہ رائے لینے کو پسند کرتی تھیں۔ تاکہ ہر شخص اپنی پوری ہمت وقوۃ سے کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں سے صورت اول یعنی جداگانہ ہر ہر فرد سے مشورہ لینا باعتبار حصول نفس مقصود مرجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مقصود صرف یہ ہے کہ عقلاء اپنی عقل سلیم اور تجربہ تام کی بدولت حل مشکل کی صورت پیدا کریں اور یہ مقصود جداگانہ رائے لینے سے بخوبی حاصل ہو

حاصل ہوتا ہے مگر چونکہ دونوں صورتوں میں اگر کوئی نہ کوئی نفع لئے ہوتے ہیں تو دوسری جانب نقصان و مضرت سے بھی خالی نہیں اسلئے مطلقاً کسی ایک صورت کو ترجیح دینا یا ہر ایک موقعہ پر اسی طریقہ کو قابل عمل و قبول سمجھ لینا بھی کسی طرح قرین صواب و دانشمندی نہیں ہے۔ اس لئے امام ابوالحسن ماوردی دونوں مذہبوں کو بیان کر کے خود یہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ ہم کو سب سے اول یہ دیکھنا چاہیئے کہ مشورہ کس بات میں ہے اگر کسی معاملہ میں رائے کے تمام پہلو تو معلوم ہیں لیکن اس کی تنقیح کرنا ہے کہ ان مختلف پہلوؤں میں سے صحیح۔ حق۔ اور موصل الی المطلوب کونسا ہے۔ تب تو بحالت اجتماعی مشورہ کرنا مفید اور انفع ہے کیونکہ ہر ایک شق پر مجمع عام میں رد و قدح ہو کر حسن و قبح ظاہر ہو جائے گا اور اگر معاملہ ایسا مبہم و مشکل ہے کہ اس کے حل کے طریقے ابھی معلوم نہیں ہوئے اور نہ اس کے اندر جتنے احتمالات ہیں وہ سب معین و مشخص تب یہی امر متعین ہے کہ ہر شخص کو جدا گانہ غور و فکر اور زور طبیعت لگانے کا موقع دیا جائے مجمع عام میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ غرض آراء کی تعیین و تشخیص کی صورۃ میں ان کے صحیح و غلط کو جانچنے اور پرکھنے کیلئے تو انعقاد مجلس شوریٰ بہتر اور ذریعہ فوز و فلاح ہے۔ اور نفس تعین رائے اور تنقیح طریقہ حل معاملہ کے لیے خلوت میں غور و فکر ہونا انفع واولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ابوالحسن ماوردی کا یہ فیصلہ حق اور صواب ہے

ا؎ ادب الدین والدنیا صفحہ ۱۲۲ ۔ ۱۲

اور اس نے ہم کو طریق مشورہ اور انعقاد مجلس شوریٰ کی ضرورت ۔ غرض وغایت اور طریقے کیلئے شاہ راہ بتلادی ہے اور یہ ایسا فیصلہ ہے جس پر عمل کئے بغیر چارہ ہی نہیں ۔ اور اس کو چھوڑ کر کسی ایک صورت کو اختیار کرنا نہ خطرہ سے خالی ہے ۔ اور نہ صحیح نتیجہ تک پہنچانے کا متکفل وضامن ہو سکتا ہے مگر اس فیصلہ کی تفصیل بیان کر دینے کی ضرورت ہے تاکہ جتنی صورتیں اس کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں ۔ سب کا حکم معلوم ہو جائے اور کوئی امر مبہم ومجمل باقی نہ رہے ۔ اس لئے ہم فیصلہ اصل کو پیش نظر رکھ کر ہر ایک شق کو بیان کر دینا چاہتے ہیں ۔

معاملات مشورہ طلب دو حال سے خالی نہیں یا مستشیر کو اس کے تمام پہلو معلوم ہیں یا نہیں اور ہر صورت میں خواہ اس وجہ سے کہ معاملہ زیادہ اہم اور مشکل نہیں یا مستشیر کے نزدیک کسی ایک عاقل وتجربہ کار کا مشورہ کافی ہے ایک شخص سے مشورہ کرے یا جماعت سے یہ کل چار صورتیں ہیں ۔

(۱) رائے کے پہلو معلوم ہیں اور کسی ایک عاقل ومدبر و دانشمند وتجربہ کار قابل اعتماد کی رائے کو کافی سمجھتا ہے ۔

(۲) رائے کے تمام پہلو معلوم ہیں ۔ اور اس میں جماعت سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں ۔ (۳) رائے کے تمام پہلو معلوم نہیں بلکہ رائے کے تمام پہلو معلوم کرتے اور کسی ایک رائے کو قابل عمل قرار دینے کیلئے مشورہ کی ضرورت ہے اور ایک شخص قابل اعتماد کی رائے کو کافی سمجھتا ہے ۔

(۴) رائے کے تمام احتمالات کو معلوم کرنے اور پھر اسمیں سے ایک احتمال

کو ترجیح کے لئے جماعت سے مشورہ کی حاجت ہے۔

صورت اول میں تنہا اس شخص سے جس کو اہل مشورہ لیا گیا ہے تعین رائے صواب کر لینا کافی ہوگا۔ اور صورت ثانیہ میں رائے کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرنے اور پھر ان میں سے کسی ایک پہلو کو قابل عمل قرار دینے کیلئے ایک مشیر کی رائے کافی ہو گی۔ صورت ثالثہ میں یعنی جبکہ رائے کے تمام پہلو واضح و منکشف ہو چکے صرف تعین رائے حق و صواب کے لئے ایک جماعت سے مشورہ کرنا ہے۔ یہی مفید ہے کہ جماعت کے سامنے بحیثیت اجتماعی اس امر کو پیش کیا جائے تاکہ ہر شخص اس میں جس جانب کو پسند کرتا ہے معہ دلائل بیان کرے اور دوسرے کو اس پر رد قدح کا موقع ملے۔ تاکہ بحث و مباحثہ کے بعد ایک جانب قابل عمل قرار دی جا سکے۔ صورۃ رابعہ میں یہ بہتر ہے کہ اول جماعت کے ہر ایک فرد سے تنہا رائے لی جائے۔ تاکہ ہر شخص کو غور و فکر کے بعد رائے قائم کرنے کا موقع ملے اور پھر اس معاملہ کو مجلس شوریٰ میں پیش کر کے تنقیح و تعیین رائے کی جائے۔

اس صورت میں اول تو ہر ایک کی رائے کا موازنہ اور اس کے غور و فکر کا درجہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ دوسرے جماعت کے سامنے قابل عمل پہلو کی تنقیح بھی ہو جائے گی۔

رہی یہ بات کہ مستشیر کو ایک شخص کی رائے پر اعتماد کر لینا کافی ہے یا نہیں اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مشورہ کی جس حد تک ضرورت ہے وہ تو ایک اہل اور قابل اعتماد شخص سے مشورہ کر لینے میں پوری ہو جائے گی۔

یہ شخص حکم مشورہ کی تعمیل کر کے بار استبداد سے سبکدوش ہو جائے گا۔ کیونکہ حکم مشورہ میں ایک یا دو کی قید نہیں ہے۔ مگر معاملات کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں بعض معاملات میں ایک کی رائے کافی ہو جاتی ہے۔ اور بعض ایسے مبہم و مشکل ہوتے ہیں کہ تنہا ایک کی رائے کافی نہیں ہوتی۔ مستشیر کو خود اطمینان حاصل نہیں ہوتا وہ بھی سمجھتا ہے کہ میں نے حق مشورہ ادا نہیں کیا۔ اب یہ خود مستشیر کا فرض ہے کہ معاملہ کی نوعیت کا اندازہ کر کے ... ایک درجہ کے متعلق وہی عمل کرے جو اس کے مناسب ہے اگر ہر معاملہ میں جماعت ہی سے مشورہ لازم و ضروری یا مناسب سمجھا جائے تو انصرام معاملات میں بہت دقت و تنگی پیش آ جائے۔

البتہ معاملہ اگر شخصی نہیں بلکہ جمہوری ہے۔ اس کا تعلق عام مخلوق سے ہے تو ایسی حالت میں جماعت سے مشورہ کرنا ضروری یا مناسب ہوگا۔ تنہا ایک کی رائے پر عمل کرنے سے فرض مشورہ کماحقہ ادا نہ ہوگا۔ اس میں اندیشہ مضرت عام اور اتلاف حقوق کا ہے ہاں اگر جماعت ہی کسی ایک اہل و قابل اعتماد کو قائم مقام بنا دے تو یہ امر دوسرا ہے کہ باعتبار نوعیت معاملہ شخص واحد سے مشورہ کر لینا موجب اطمینان ہے یا نہیں مگر اس صورت میں اتلاف حق نہیں رہے گا۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ جس صورت معاملہ میں رائے کے تمام پہلو معلوم نہیں بلکہ اول اس کے پہلو معلوم کرنے اور پھر تنقیح رائے صواب کیلئے جماعت سے مشورہ کی ضرورت ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ اول ہر شخص سے تنہا رائے لی جائے۔ اور پھر

مجلس میں جماعت کے سامنے پیش کر کے مختلف رائے میں سے ایک امر کو منقح کیا جائے۔

لیکن اس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ہر ایک شخص سے تحریری رائے حاصل کر لی جائے۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک سے زبانی رائے لے لی جائے اور مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا، رایوں کو بیان کر دے یا ہر شخص خود اپنی اپنی رائے کو بیان کر دے اور اس پر بحث کر لی جائے۔

یہ بات بھی سمجھ لینے کے قابل ہے کہ تنہا رائے لینے میں یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ رائے کے تمام پہلو معلوم ہو جائے۔ ممکن ہے کہ بعض پہلو اب بھی مخفی و مستتر رہے ہوں۔ جن کا انکشاف مجلس شوریٰ میں بوقت اجتماع و تبادلہ خیالات ہو کیونکہ بسا اوقات فرداً فرداً رایوں کے ملانے سے کوئی ایسا بھی احتمال پیدا ہو جاتا ہے جو اب تک کسی کے خیال میں نہیں آیا تھا۔ اسلئے میرے خیال میں جیسا یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو تنہائی میں غور کرنے کا موقع دیا جائے ایسے ہی اس کی ضرورت بھی ہے کہ مجلس شوریٰ میں بحیثیت اجتماعی پیش کیا جائے۔ ایک حالت دوسری سے مستغنی کرنے والی نہیں مشورہ کی دونوں صورتیں لازم و ملزوم ہیں۔

زمانہ حال میں جو طریقے کمیٹیوں اور پارلیمنٹوں میں عام مروج ہیں وہ امام ابوالحسن ماوردی کے فیصلوں کے موافق انہیں اصولوں کو پیش نظر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ کمیٹیوں اور پارلیمنٹوں میں عام قاعدہ یہ ہے کہ اول تمام امور مشورہ طلب کو لکھکر ہر ایک ممبر کے پاس بھیج دیا

جانا اراکان سے تحریری رائے حاصل کر لی جاتی ہے پھر ایک تاریخ معین پر جمع ہو کر اس میں بحث کر لیتے ہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ ممبر اپنی تحریری رائے نہیں بھیجتے۔ بلکہ غور و فکر کے بعد جو رائے قائم کرتے ہیں اس کو خود مجلس شوریٰ میں ظاہر کرتے ہیں اور یہ تو غالب رواج ہے کہ صرف رائے لکھ دیتے ہیں اس کے وجوہ نہیں لکھتے بلکہ مجلس میں ممبران کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ اور یہ بعینہٖ وہی طریقہ ہے جو امام ابوالحسن نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی معاملہ دفعتاً پیش آجاتا ہے۔ اور جداگانہ رائے حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ایسے مواقع میں ممبران کمیٹی یا پارلیمنٹ کو جمع کر کے معاملات مشورہ طلب میں رائے زنی کر لی جاتی ہے اور ایسا کرنا بالکل کافی ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات علاوہ ان معاملات کے جن کی بابت رائے حاصل کرتی ہے وقت اجتماع و مباحثہ کوئی جدید معاملہ پیش کر کے تبادلہ خیالات کر لیا جاتا ہے ایسا کر لینا بھی کافی ہے اور ضرورت مشورہ پوری ہو جاتی ہے۔ اسلئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشورہ کی ہر صورت کافی ہے البتہ احسن طریقہ یہی ہے کہ اول جداگانہ رائیں حاصل کر لی جائیں۔ اور پھر مجلس میں ان پر بحث و مباحثہ ہو کر ایک جانب کو معین کر لیا جائے۔

مشورہ کو دہرانے اور دوبار کرنے کی ضرورت انسان فطرتاً تدریجی ترقی کرتا ہے۔ کوئی کمال اس کو دفعتاً حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے مشورہ میں صحیح رائے تک پہنچنے تک بھی بتدریج ہوتا ہے۔ کیونکہ صحیح نتیجہ تک بذریعہ مقدمات کے پہنچتا ہے اور تمام مقدمات کو اول وہلہ میں حاضر فی الذہن ہونا ضروری نہیں اسلئے

بسا اوقات یہ امر پیش آتا ہے کہ ایک عاقل و مجرب معاملہ کو سنتے ہی کوئی رائے قائم کر لیتا ہے اور پھر غور و فکر کے بعد اس سے منتقل ہو کر دوسری رائے پر جمتا ہے۔ اسی بناء پر عقلاء نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اول وہلہ کی رائے کو قابل اعتماد نہ سمجھنا چاہیئے۔ تاوقتیکہ مکرر سہ کرر غور نہ کر لیا جائے۔ جب تنہا کسی ایک شخص سے رائے لی گئی۔ یا جماعت کے سامنے پیش ہو کر کوئی امر منقح کر لیا گیا۔ تو عمل کرنے میں اتنی تاخیر کرنی مناسب ہے جس سے اصل معاملہ کو نقصان نہ پہنچے۔ اہل الرائے کو آراء پر کامل غور کرنے کا موقع مل جائے اور وہ رائے پختہ ہو جائے۔

عامر ابن الظرب حکیم عرب کا مقولہ ہے دعوا الرای یغبّ حتّی تختمروا ایّاکم والرای الفطیر یرید الاناۃ فی الرای والتثبّت فیہ۔ رائے کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک رات گذر کر اس کا خمیر نہ اٹھ جائے تم کو پہلی مرتبہ کی رائے سے پرہیز کرنی چاہیئے عامر بن الظرب کی غرض اس سے یہ ہے کہ رائے میں تدبر و تثبت سے کام لیا جائے جلدی نہ کی جائے۔

ابن ہبیرہ نے اپنی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

لا تکن اوّل مشیر وایّاک والرای الفطیر ولا تشر علی مستبدٍ فانّ التماس موافقتہ لوم والاستماع منہ خیانۃ۔

سب سے پہلا مشیر نہ بن اور بچپا رہ۔ اول منہ سے نکلی ہوئی رائے سے کہیں خود رائے کو مشورہ مدو سے کیونکہ اس سے موافقت کی خواہش کرنا و نارۃ میں داخل ہے اور اس کی بات کا سننا خیانت ہے۔

عبداللہ بن وہب کا قول ہے۔ ایاکم والرائی الفطیر وکان یستعیذ باللہ من الرائی الدبری الخیر۔

بچتے رہو رائے فطیر سے۔ اور پناہ مانگتے تھے وہ یعنی عبداللہ ابن وہب اس اچھی مفید رائے سے جو بعد از وقت دی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ عقلاء کے نزدیک رائے کا رس رس کے پختہ ہونا اور قائم ہونا زیادہ قابل اعتبار و اعتماد ہے۔ اسلئے حتی الوسع رائے قائم کرنے اور اس پر عمل کرنے میں جلدی نہ کی جائے ہاں اس میں اسقدر تاخیر بھی سخت مہلک ہے کہ معاملات کا وقت ہی فوت ہو جائے۔ اور تدبیر کا وقت نکل جائے کیونکہ اول واہلہ رائے پر عمل کرنے ہیں تو نقصان کا صرف احتمال ہے اور اس صورت میں یقین ہے۔

زمانہ حال کے پارلیمنٹوں میں مسودات قانون وغیرہ کو کئی بار پیش کرنا اور سنانا اور ممبران سے دو بار سہ بار رائے لینا اسی اصول پہ مبنی ہے جو حکماء عرب و علماء اسلام بہت زمانہ پہلے ممہد کر چکے ہیں۔

فیصلہ مشاورت:۔ ان تمام مراحل کے بعد جو بیان کئے گئے ایک اہم اور نہایت اہم مسئلہ کی توضیح و تفصیل ضروری ہے جس پر مشاورۃ یا مجلس مشاورۃ کی کامیابی و ناکامیابی کا مدار ہے اور وہ یہ کہ در صورت اختلاف فیصلہ قطعی کرنے اور چند آراء مختلفہ سے کسی ایک رائے کو معتمد علیہ۔ قابل عمل صحیح اور منتج قرار دینے کی کیا صورت ہے جبتک اس مسئلہ کو طے کر کے فیصلہ کی صورت نہ بتلائی جائے۔ تمام شرائط و آداب مشاورۃ اور انعقاد

مجلس مشاورۃ لغو و بیکار ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ غالباً ایک سطحی نظر والا سنکر یہ کہدیگا کہ اس مسئلہ میں اہمیت کیا ہے فیصلہ کا طریقہ ظاہر اور عقلاء زمانہ کا معمول بہا ہے وہ یہ کہ جس جانب کثرۃ رائے ہو وہی جانب حق ہے۔ اور اسی کے موافق فیصلہ استقرار رائے ہونا چاہیئے۔ اس میں نہ کوئی خلجان کی بات نہ تفصیل کی ضرورت اور نہ ایسی واضح بین اور معمولی امر کو تفصیل اور تشقق کی الجھنوں میں ڈالنے کی حاجت۔

لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ فی الواقع مشکل ہے اور بغیر اسکے حل و توضیح کے مشاورۃ کے سارے مراتب ناتمام ہیں۔ چاہے معیار صحت رائے کثرۃ آراء ہی ہو مگر تاوقتیکہ اس کو مدلل نہ بیان کیا جائے۔ اور اس کے تمام پہلوؤں کو واضح نہ کر دیا جائے کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔

علاوہ اس کے ہم کو رفتار زمانہ سے نظر اٹھا کر دیکھنا یہ ہے کہ شریعت نے مشورہ کو مہتم بالشان امر قرار دیا ہے اور درصورۃ مشاورۃ اختلاف رائے ہونا ضروری ہے۔ تو آیا شریعت نے ایسی حالت میں فیصلہ کی کوئی صورت بیان کی ہے یا احکام و نظائر شرعیہ سے کسی صورت کا استنباط ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر ہم عقلی و شرعی دونوں جانب کا لحاظ کر کے اس مسئلہ کی اس قدر توضیح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ کسی فہیم کو حقیقت الامر کے انکشاف میں تردد و تامل کی گنجائش نہ رہیگی۔

لیکن ہم اپنے بیان میں اول عقلی و شرعی طور پر فیصلے کی صورتوں اور

کسی ایک صورت کی ترجیح پر بحث کریں گے اور اس کے بعد نتائج اخذ کریں گے۔

عقلی طور پر فیصلہ کی بحث — اختلاف رائے کی صورت میں کسی رائے کو قابل عمل و قبول قرار دینے کی اندر کل دو احتمال ہیں قوت دلیل۔ اور کثرت آرا لیکن جب ہم عقل کی میزان میں تولتے ہیں تو ہم کو مثل روز روشن واضح ہو جاتا ہے کہ اصل ترجیح اور فیصلہ قوت دلیل کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کثرۃ آرا کو صحت رائے اور فیصلہ میں بذاتہ کچھ دخل نہیں ہے۔ ہاں کثرۃ آرا چونکہ بسا اوقات قوت دلیل کی علامت ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کو قائم مقام قوت دلیل کا سمجھ کر اسی کے موافق فیصلہ دیدیا جانا بعید از عقل نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان کا وہ جوہر جس نے اس کو تمام ذوی الارواح اور حیوانات پر خواہ ملک وجن بھی اگرچہ اس کے شریک و سہیم ہوں مگر جس درجہ کا علم و عقل اس کو عطا ہوا ہے اس درجہ کا ان کو نہیں۔ اگر ناواقف یا ظاہری عقول کے پابند انسان کی برتری ملک وجن پر تسلیم نہ کریں یا وجود ملک وجن کی قائل ہی نہ ہوں۔ تب بھی اس کے تسلیم میں تو ان کو تامل نہیں ہو سکتا کہ تمام حیوانات، طیور و وحوش پر انسان کو عقل و علم کی وجہ سے امتیاز و فوقیت حاصل ہے۔ اور یہ بات بھی تسلیم ہے کہ تمام افراد انسان عقل و علم میں مساوی نہیں۔ بلکہ ان کے درجات میں اسقدر تفاضل و تفاوت موجود ہے کہ بعض انسان بہ نسبت بعض کے درجہ حیوانیت و غیر ذوی العقول میں داخل معلوم ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی تسلیم ہے کہ استنباط۔ استدلال۔ دقیقہ سنجی، حقیقت شناسی

جزئیات سے کلیات تک پہنچنا حاضر سے غائب کی طرف منتقل ہونا چند معلومات سے مجہولات کا علم حاصل کرنا۔ چند مقدمات سے دلیل کا ترکیب دینا۔ دلیل سے نتیجہ کا برآمد ہونا سب عقل پر موقوف ہے۔ اور یہ بھی تسلیم شدہ امر ہے کہ عقل کو تجربہ سے کیا غرض ہوتی ہے جب تمام امور مسلم ہیں تو اس کے تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ کسی معاملہ کی کنہ و حقیقت تک پہنچنا اور اس کے تمام جوانب و احتمالات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح و سقیم میں امتیاز کرنا۔ پھر ہر ایک دعویٰ کو دلائل قویہ سے مبرہن و مدلل کرنا اسی شخص سے ہو سکتا ہے جسکو عقل خداداد نصیب ہو اور عقل کی پختہ کاری تجربہ سے ہو چکی ہو۔ اور پھر اہل عقل کی عقول میں جتنا تفاوت ہونا چاہئے گا اتنا ہی ان امور میں تفاوت بھی نظر آئے گا۔

جب یہ امور تسلیم ہو چکے تو اب فرض کر لیجئے کہ ایک شخص جسکی عقل کامل اور تجربہ تام ہے ایک جانب ہو۔ اور دنیا کے کل یا اکثر افراد جو عقل سے بے بہرہ یا قلیل البضاعت ہیں دوسری جانب تو عقل کا فیصلہ اس معاملہ میں کیا ہو گا صرف یہی کہ جس کی عقل کامل و تجربہ تام کا بمقابلہ ان افراد انسانی کے جو بالکل بے عقل و ناتجربہ کار ہیں یا عقل و تجربہ سے کم حصہ لئے ہوتے ہیں قابل اقتدا، تسلیم کرنا لازم ہو گا۔

زمین کے تمام طبقات پر جسقدر قومیں آباد ہیں۔ ابتداء آفرینش سے جسقدر دور منظر ارض پر ظاہر ہو کر مٹ چکے ہیں ان میں سے ہر ایک قوم اور ہر دور پر نظر ڈال کر دیکھ لیجئے یہی نظر آئے گا کہ جب کسی ایک شخص

کی عقل و تجربہ کو اول درجہ کا تسلیم کر لیا گیا تو ملک کے ملک اسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں وہ جو کچھ بولتا ہے یہ بھی بولنے لگتے ہیں۔ وہ جو حکم بھی دیتا ہے اس کا اتباع کرتے ہیں وہ جس امر کا مشورہ دیتا ہے اس کے امتثال کو اپنا فخر سمجھتے ہیں پھر یہ بات نہیں کہ وہ سارے کے سارے بے عقل و ناتجربہ کار ہیں نہیں۔ باوجود عقل و تجربہ رکھنے کے اس کے اتباع کو اسلئے اپنا فرض قرار دیتے ہیں کہ اس کی عقل کو اپنی عقل سے زیادہ کامل۔ اس کے تجربہ کو تام سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ سمجھتے تو ہرگز کوئی ایک عقل والا بھی دچہ جائیکہ تمام عقلاء) اس کا اتباع نہ کرتا۔

اب ہر ملک ہر ایک قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیئے۔ موجودہ حالات کو خیال کر لیجیئے کہ ہر ایک ملک و قوم میں ہر ایک زمانہ کے اندر ایسے افراد گزرے ہیں کہ نہ صرف زمانہ حیات میں وہ قابل اتباع و انقیاد سمجھے جاتے تھے بلکہ بعد کی نسلوں نے بھی ان کے طریقہ میں چلنا ان کے اصول پر کاربند ہونا موجب فخر و فلاح سمجھا ہے۔ اس کی ایک نہیں۔ دو نہیں۔ ہزاروں مثالیں ملینگی۔ پھر اگر کسی مسلم شخص کے اصول و طریقہ میں کسی دوسرے صاحب عقل و فراست نے کچھ ترمیم کی یا بجائے ان کے دوسرے اصول قائم کئے تو جبتک وہ اپنی عقل و علم کی بدولت دلیل قوی اس کے خلاف نہ کریگا اپنے مشاہدات و تجربات سے جن سے استخراج نتیجہ بھی عقل ہی کا کام ہے سابق اصول و قواعد کے خلاف کچھ نہ دکھلا سکا۔ کسی نے اس کے قول کو تسلیم نہیں کیا۔ ان اصول و قواعد کو تسلیم کر کے سابق اصول و قواعد کو چھوڑا

تو صرف اسی بناء پر کہ اس مؤخرالذکر شخص کے عقل و تجربہ کو اول سے فائق۔ اس کی دلیل و حجت کو اس سے قوی اس کے مشاہدہ و تجربہ کو اس سے زیادہ اور تام سمجھ لیا۔

غرض مدار اتباع و انقیاد و اصابت رائے کا قوت دلیل پر ہمیشہ سے رہا ہے تمام عقلاء از ابتدا تا انتہا اسی پر کاربند رہے ہیں۔ کثرت افراد تنہا کبھی ترجیح کا سبب نہیں ہے۔ ہاں کثرت افراد اور قوت دلیل دونوں جمع ہو جاویں نور علی نور ہے۔ اس کو اور وضاحت سے سمجھنا ہے تو زمانہ حال کے قواعد کو جو عقل وہمت کا زمانہ کہا جاتا ہے اور جس کو قرن متنرق کا خطاب دیا جاتا ہے دیکھ لیجیئے پارلیمنٹوں، کونسلوں۔ بورڈوں اور میونسپلیٹیوں میں ایک ملک یا ایک شہر یا ایک محلہ یا ایک قوم کیطرف سے ایک یا دو قائم مقام ہو کر ممبر بنتے ہیں۔ اور اہل ملک یا شہر یا محلہ یا قوم اپنی جانب سے ان کو تمام حقوق قائم مقامی و یکر سیہ سفید کا مالک بنا دیتے ہیں۔ اس کا تسلیم کر لینا ان سب کا تسلیم کر لینا ہوتا ہے۔ ان کا انکار اُن کا انکار سمجھا جاتا ہے۔

یہ طریقہ اسی اصول کی بناء پر قرار دیا گیا ہے کہ ہر ایک فرد تو ممبر بن نہیں سکتا نہ ہر ایک کی رائے لی جاتی ہے تو لا محالا ان کو اختیار کر دیا گیا ہے کہ اپنے میں سے ایک یا دو ایسے افراد کو ممبر منتخب کر دیں جو مدبر ہونے کے ساتھ ان کے حقوق و فرائض ان کے رسوم و عادات کا تجربہ تام رکھتا ہو پس ظاہر ہے کہ وہ لاکھوں اور ہزاروں افراد میں ایک شخص جو دانشمندی و فراست و تدبیر و تجربہ میں ممتاز سمجھا جاتا ہے ایک قوم کی قوم کا نائب اسی وجہ سے بنا دیا

جاتا ہے کہ سب کو اس کی عقل و فراست پر اعتماد ہے۔ اس کی عقل کنہ رس معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے قابل ہے۔ اس کا تجربہ ہر نازک موقع پر رہبری کرتا اور اپنے ملک یا قوم کو ورطۂ ہلاکت سے بچا کر کامیابی کی بلند سطح تک پہنچانے کے لائق ہے۔ اس شخص کی عقل تمام عقول کے ہم پلہ نہیں بلکہ سب سے زیادہ وزندار سمجھی جاتی ہے۔ گو ایک قوم کا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے کثرت کو بھی وہ اپنے اندر لئے ہوئے ہوتا ہے۔ مگر اس کے انتخاب میں یہ کثرۃ کارآمد نہیں ہوتی اور نہ اس بنا پر اس کا انتخاب ہے۔ اگر انتخاب میں فقط یہی امر ملحوظ نظر ہوتا کہ وہ کثیر جماعت کا قائم مقام بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی رائے اس کثیر جماعت کی رائے سمجھی جائے تو اول یہ لازم ہوتا ہے کہ جب ممبران پارلیمنٹ یا کونسل میں اختلاف ہوا کرتا تو صرف ممبران کی قلت و کثرت پر نظر نہ کی جاتی بلکہ ہر ایک نائب کیساتھ اس کی قوم کی کثرت عدد کو بھی فیصلہ میں دخل ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرے انتخاب کیلئے دانشمندی و تجربہ کاری کا وصف لازم نہ ہوتا قوم اپنے خیال پر مطلع کرنے کیلئے محض قاصد یا سفیر کے درجہ پر اس کو رکھتی اور اس کی رائے و تجویز کو کبھی گوارا نہ کرتی۔

غرض اصل لحاظ اس انتخاب میں ممبر کی دانشمندی و تجربہ کاری و ہمدردی کا ہے یہ دوسرا امر ہے کہ کوئی قوم یا ملک ان اصول کو پس پشت ڈال کر دوسرے اغراض و مقاصد کی بنا پر دانشمند پر غیر دانشمند کو تجربہ کار کو ترجیح دیدے اور کسی ایسے شخص کو منتخب کر دے جس سے زیادہ ہوشمند و تجربہ کار موجود ہیں یہ امر خلاف اصول ہوگا۔ جو حجت کے موقعہ پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں ہر ایک ملک و قوم اپنے لیڈروں کا اتباع صرف اسی وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کی تجربہ و عقل کاری اور سابقہ ہی ان کی ہمدردی و خیر خواہی پر پورا اعتماد ہوتا ہے ان کو عقل و تجربہ میں اپنے سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ لیڈروں کے قول کو رد کرنا یا ان کے طریقہ کے سوا دوسری راہ اختیار کرنا قومی جرم سمجھا جاتا ہے ایک لیڈر قوم کی قوم بلکہ ملک کے ملک کا ذمہ دار ان کے نفع و ضرر کا مالک ہوتا ہے۔ اور قوم ان کے سامنے سر نیاز خم کئے ہوئے رہتی ہے۔

اس سے بھی ذرا نظر کو اونچا کیجیئے تو نظام سلطنت کی ترکیب میں کو آپ کو بہت سے کیل پرزے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر سارے نظام کی حرکت کسی ایک ہی محور پر ہوتی ہے۔ وزراء میں سے جو وزیر ہوشمندی۔ دانائی۔ فراست و تجربہ میں چلتا ہوا ہوتا ہے۔ باقی وزراء بھی اسی ڈگری پر چلتے ہیں۔ اول سے آخر تک ہر صیغہ و محکمہ پر اسی وزیر کا رنگ غالب نظر آتا ہے یہ بھی صرف اسی وجہ سے ہے کہ جب کسی کو عقل و تجربہ میں فائق و ممتاز سمجھ لیا گیا تو اس کی آراء اور تدابیر پر بھی اعتماد کر لیا گیا ورنہ مساوی درجہ کے وزراء کو برابر حق حاصل ہوتا کہ اس کی جس بات کو چاہیں رد کر دیں اور جسکو چاہیں قبول کریں قوانین سلطنت نے ان کو تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا ان کی آزادی مسلوب نہیں ہوئی۔ اختلاف سے کوئی امر نہیں ہے۔ باایں ہمہ انقیاد و متابعت جس امر میں خلاف کر بیٹھتے ہیں۔ پھر کسی شخص واحد کی گو کتنے ہی بڑے درجہ کا معتمد اور قابل ہوا کچھ نہیں چلتی۔ خلاصہ یہ کہ عالم کے نظام اور افراد کے طریقہ عمل سے یہ ثابت ہے کہ جنکی عقل تام نظر غائر طبیعت دقیقہ سنج۔ اور تجربہ تام ہے۔ انہیں کی

بات بھی تسلیم ہوتی ہے۔ عقلاء زمانہ کا یہی طرز عمل ہے۔ اسی بنا پر فیصلہ کی دونوں صورتوں میں سے جن کا ذکر اول کیا گیا تھا۔ عقل کی رو سے فیصلہ صرف قوۃ دلیل پر مبنی ہونا چاہیئے۔ کثرۃ آراء کو فی حد ذاتہ اس میں کچھ دخل نہیں ہے لیکن کثرت رائے بالکل نظر انداز کرنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حمقاء جہلا ناداں و ناتجربہ کار افراد کی رائے کا نہ اعتبار ہے نہ وقعت۔ ان کی کثرت قلت کا اثر حقیقتاً معاملات پر کچھ بھی نہیں پڑتا۔ گفتگو ہے تو عقلاء کی رائے میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ گو عقلاء میں باہم فرق مراتب ہو۔ اور اسی وجہ سے ان کے آراء کی قوت وضعیف میں بھی فرق ہو مگر چند عقلاء کی رائے میں وہ قوت ہو سکتی ہے جو ایک عاقل کی رائے میں نہیں ہو سکتی۔ اب فرض کر لو کہ ایک جانب ایک عاقل کی رائے ہے اور دوسری جانب چند کی۔ اس حالت میں فیصلہ کی صورت تو یہ ہے ہونی چاہیئے کہ جو رائے قوی ہے اسی کے موافق عمل کیا جائے۔ اب اس عاقل کی رائے کی قوت کو دوسرے عقلاء اور اہل حل و عقد نے تسلیم کر لیا تب تو اس کی ترجیح میں کوئی سہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن فرض کر لو کہ اختلاف قائم رہا۔ اور ہمارے پاس کوئی معیار ایسا نہیں جس سے قوت وضعف کا اندازہ کر سکیں تو اس وقت مختلف آراء میں سے کسی رائے کو قوی اور مرجح قرار دینے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ چند عقلاء کی رائے کو ایک رائے کے مقابلہ قوی سمجھا جائے۔ اور اس بناء پر فیصلہ اس جانب ہو جس جانب کثرۃ رائے ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم اول عرض کر آئے ہیں کہ کثرت رائے کو گو فی حد ذاتہ ترجیح نہ ہو۔ مگر علامۃ قوۃ دلیل ہے۔

اس ہمارے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ عقل کی رو سے درصورت اختلاف

آراء اصل فیصلہ قوۃ دلیل پر ہوگا۔ اگرچہ یہ قوۃ کسی ایک رائے کو بمقابلہ بہت سے آراء کے حاصل ہو۔ لیکن درصورتیکہ قوۃ رائے معلوم کرنے معلوم کرنے کا کوئی معیار ہمارے پاس نہ ہو تو اس وقت قوۃ کی علامت کثرۃ رائے عقلاء ہے اور کثرۃ رائے کے حق میں فیصلہ دینا حقیقتاً قوۃ دلیل ہی کی بناپہ ہوگا۔

اس کے علاوہ کثرت رائے کے حق میں فیصلہ دینے کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ جب آراء میں اختلاف ہے اور کوئی قوۃ حاکمہ اس سے اوپر ایسی نہیں جو رائے مغلوب کو رائے غالب پر فوقیت دے دے تو اس اختلاف و نزاع کے مٹانے کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ ہر ذی رائے اپنی رائے پر مصر۔ اسی کو حق وصواب سمجھے ہوئے۔ اسی کے موافق فیصلہ کا متمنی ہے۔

اور ہر قوت رائے کوئی محسوس چیز نہیں جس کے ماننے پر ہر کسی منکر کو مجبور کیا جا سکے ایسی حالت میں اس کے سوا کوئی رائے عمل نہیں کہ کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے کیونکہ کثرت ایک محسوس چیز ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اسلام میں مشورہ کی اہمیّت

(حصہ دوم)

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد :- یہاں تک عقلی طور پر صورت فیصلہ سے بحث کی گئی ہے اس کے بعد ہم مسئلہ کا دوسرا پہلو یعنی شرعی طریقہ اور سلف کا طرز عمل پیش کرتے ہیں اور حقیقت میں ایک مسلمان کیلئے یہی مشعل راہ ہے۔

نصوص قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ وتابعین پر نظر ڈالنے سے بالاجمال اتنی بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلام نے مشورہ کا فیصلہ درصورت اختلاف کثرت رائے کے سپرد نہیں کیا بلکہ قوت رائے کا لحاظ کرتے ہوئے امیر مجلس کو اختیار دیا ہے کہ بجائے اکثریت کے اقلیت کو ترجیح دیدے ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ جس کیساتھ یہ مسئلہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ حل ہو جائے گا۔ کہ اسلامی خلافت ملوکیت و شخصیت کی شان رکھتی ہے یا جمہوریت کی پھر چونکہ یہ مسئلہ خود ایک مستقل بحث ہے۔ جو مدت سے ملک میں چھڑی ہوئی ہے اس لئے ہم اس گزارش کو اسی عنوان کے ماتحت پیش کرتے ہیں۔ واللہ الموافق للصواب و المیسر للعصاب۔

اسلامی خلافت ملوکیت ہے یا جمہوریت

اسلام جس توسط و اعتدال کو اپنے ساتھ لایا ہے اس کے آثار تمام اسلامی احکام۔ اعتقادات، عبادات، اخلاق، معاملات، سیاسات و معاشریات میں نمایاں طور پر مشاہد ہیں۔ اور یہی اعتدال اس امت اُمیہ کا طغرائی امتیاز ہے

وکذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس " اسی طرح ہم نے تمہیں ایک متوسط امت بنائی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو۔

مکہ معظمہ کی زاہدانہ زندگی کے بعد جب اسلام تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اس نے اپنی سیاست اور تدبیر ممالک میں بھی اسی اعتدال اور توسط سے کام لیا۔

اور ملوکیت و جمہوریت کے افراط و تفریط کو اٹھا کر سلطنت و سیاست کا ایک ایسا محکم قانون تیار کیا جو تمام مفاسد سے پاک اور تدبیر ممالک کی تمام ضروریات کے لیے صحیح معنوں میں کفیل ہے۔

ملوکیت اور شخصیت کے مفاسد تو محتاج بیان نہیں کیونکہ مروجہ ملوکیت کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) تمام ملک ایک شخص کا غلام بلکہ غلاموں سے زیادہ پابند ہو۔

(۲) یہ شخص ظلم کرے یا انصاف کسی کو اس کے خلاف لب کھولنے کا حق نہ ہو۔

(۳) عہد سلطنت اس کی نسل میں متوارث ہو باپ کے مرنے کے

بعد سارا ملک بیٹے کے قبضے میں آجائے خواہ یہ کیسا ہی جاہل بدخلق اور نا اہل نالائق ہو۔

(۴) تمام ملک کے جان و مال اس کی ایک جنبش لب سے زیروزبر ہو سکتے ہوں الغرض شخصیت کا قانون محض بادشاہ کی زبان ہے اور تمام خلق اللہ کی موت و حیات محض اس کے رحم پر موقوف ہے۔ ساری مخلوق اس کی ذاتی خواہشات کی تختہ مشق ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صورت سے نظام سلطنت کیا قائم رہ سکتا ہے۔ اور لوگوں کے حقوق کیا ادا ہو سکتے ہیں۔

جمہوریت کے مفاسد آج کل کی مصطلحہ اور مروجہ جمہوریت میں اگرچہ وہ مفاسد نہیں جو ملوکیت میں بیان کئے گئے لیکن اس میں بعض دوسرے ایسے مفاسد موجود ہیں جو نظام عالم کے قطعاً خلاف ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہی ہے کہ جمہوریت میں امیر و بادشاہ کی حقیقت ایک شطرنج کے بادشاہ سے زائد نہیں صرف اتنی عنایت اس کے حال پر کی جاتی ہے کہ اس کی رائے کو دو رائے کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ اور بس حالانکہ عالم کا فطری نظام اول سے آخر تک اُسی کا مقتضی ہے کہ نظام سلطنت کا ذمہ دار کوئی ایک با اختیار شخص ہونا چاہیئے جس کو حقیقی طور پر امیر و حاکم کہا جا سکے اور جو امور سلطنت کے حل و عقد کا مالک ہو۔ اور جس کی اطاعت تمام رعایا پر فرض ہو۔

(۲) دوسرے ممبران جمہوریت کے باہمی اختلاف رائے کے وقت جمہوریت

کا فیصلہ کثرت رائے کے تابع ہوتا ہے۔ کثرت رائے کے مقابلہ میں نہ امیر کی کوئی ہستی ہے اور نہ دوسرے اہل رائے اور تجربہ کار لوگوں کی"

اور یہ ایک ایسی اصولی غلطی ہے جو سینکڑوں غلطیاں اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ آج ہمارے یہاں کونسلوں اور بورڈ کے الیکشن میں جو طوفان بے تمیزی کے منظر سامنے آتے ہیں اور کثرت رائے کے فیصلوں کے جو ناگوار نتائج ہیں روز مرہ بھگتنے پڑتے ہیں ان کے مفاسد سے شاید کوئی انسان آنکھ نہ چرا سکے۔ آٹھ آٹھ آنہ میں رائے بکتی ہے۔ ہر فریق کثرت رائے حاصل کرنے کیلئے ہر جائز و ناجائز ہتھیار کام میں لاتا ہے۔ تعلقات کے دباؤ زور زور کی نمائشوں سے ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں۔ اور بالآخر نتیجہ اس شخص کے ہاتھ ہوتا ہے جس کی گرہ میں روپیہ زیادہ ہو اور جو رسوئیوں میں بے دریغ خرچ کرنے کا عادی ہو۔ یا جس کے تعلقات سے یا زور سے لوگ مرعوب ہوں یہ ایک ایسی بداہت ہے کہ جس کا ہر شخص سالانہ مشاہدہ کرتا ہے

اور پھر یہ طوفان بے تمیزی اپنی برکات جو ملک میں چھوڑ جاتا ہے وہ سب سے زیادہ قابل غور ہیں، الیکشن کا فتنہ تو چند روز میں ختم ہو جاتا ہے، لیکن باہمی خانہ جنگیاں۔ عداوتیں اور بغض و عناد جو اس وقت قلوب میں قائم ہو جاتی ہے وہ اکثر ایسا صدقہ جاریہ ہوتا ہے جو قبروں میں ساتھ جاتا ہے۔

اس سال کونسل کے الیکشن کے زمانہ میں ایک مقتدر باپ کو بیٹے کے شرمناک عیوب اخبارات و اشتہارات میں شائع کرنے سے دریغ نہ تھا۔ ہونہار فرزند کو بھی ہم اس میدان کارزار میں باپ سے کسی طرح

کم نہ پاتے تھے۔ بلکہ ہر گالی کا جواب اس سے زیادہ وزن کی گالی سے دیا جاتا تھا۔

خیر یہ تو اس حریت کا نتیجہ تھا جو یورپین تمدن کا لازمی اثر ہے اور جس کا خلاصہ نہ فقط مذہب سے آزادی بلکہ انسانیت کی ہر پابندی سے آزادی ہے۔

الغرض یہ سب اس جمہوریت اور کثرت رائے کے فیصلوں کی برکتیں ہیں جس کو آج سیاست کا اساسی قانون بنا لیا گیا ہے۔

موجودہ اور مروجہ جمہوریت کے فیصلوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو جمہوری حکومت کا خود سر امیر یا روپیہ نکلتا ہے اور یا جبر و استبداد اور مکر و فریب کیونکہ جب کثرت رائے کا پردہ فاش ہوتا ہے تو اس کے پس پردہ یہی چیزیں کار فرما نظر آتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے تمام انتخابات میں عموماً وہ خود غرض ہوا پرست۔ نا اہل لوگ۔ خلق اللہ کی جان و مال کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ جن کی نیت اور ہمت ابتدا ہی سے اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ ہمیں حکومت کی کرسی مل جائے۔ پھر مخلوق آرام سے رہے یا تباہ ہو۔ چنانچہ ان کی رائے زنی کا حاصل بھی اس سے زائد نہیں ہوتا کہ جس طرف زیادہ ہاتھ اٹھتے نظر آئے انہوں نے بھی اپنی جھنڈی اسی طرف کے لئے اٹھا دی۔ اکثر انھیں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کس معاملہ کے متعلق ہم سے رائے لی گئی ہے۔

اور ان تمام فتنوں کے طوفان کی ذمہ داری صرف کثرت رائے کے

فیصلوں پر ہے اگر اختلاف رائے کے وقت فیصلہ امیر مجلس کے سپرد ہو تو ان میں سے اکثر مفاسد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

الغرض جس طرح شخصیت محض بادشاہ پرستی کا نام ہے اور نظام عام کے لئے کسی طرح مناسب نہیں۔ اسی طرح آجکل کی مصطلحہ جمہوریت اسکے بالکل خلاف ایک غوغاءناس کا نام ہے جس کے مفاسد بھی شخصیت سے کم نہیں۔

اسلام جو نظام عالم کا حقیقی ذمہ دار ہے اس کا فرض تھا کہ اس افراط و تفریط کے درمیان ایسا راستہ اختیار کرے جو ہر قسم کے مفاسد اور خطرات سے پاک ہو۔

چنانچہ اسلامی حکومت کی بنیاد ایک ایسے قانون پر رکھی گئی جو بعض اعتبارات سے شخصیت سے ملتا ہے اور بعض وجوہ سے جمہوریت کا ہمرنگ ہے۔ یعنی خذ ما صفا ودع ما کدر (جو بات اچھی ہو اس کو اختیار کر لو اور جو بری ہو چھوڑ دو۔)

کے قانون پر عمل کرتے ہوئے شخصیت و جمہوریت دونوں کی وہ دفعات جو مفاسد پر مشتمل ہیں اسلام نے ان سب کو نظر انداز کر دیا اور جن دفعات کے ماتحت نظام عالم درست ہو سکے ان کو اختیار کر لیا۔ جسکی اجمالی صورت یہ ہے۔

(۱) اسلامی خلافت میں وراثت نہیں چلتی۔ یہ ضروری نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا یا اسی کی نسل کا کوئی اور آدمی خلافت و امارت کا جاگیردار ہو۔ بلکہ بیعت عامہ یا مشورہ سے انتخاب ہو جائے اور یا سابق خلیفہ کسی شخص کو اپنی رائے سے

مقرر کر دے (وہ ہی اس عہدہ پہ فائز ہو گا (ازالۃ الخفاء)۔

حضرت فاروق اعظمؓ اسی دفعہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

لاخلافۃ الا عن مشورۃ (کنز العمال ج۳ ص۱۳۹) کوئی خلافت بغیر مشورہ کے نہیں ہو سکتی۔

(۲) مہم معاملات میں تنہا خلیفہ بغیر مشورہ کے طے نہیں کر سکتا۔ آیہ کریمہ "و شاورھم فی الامر" (اور معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیجئے۔) میں خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرما کر امت کے لئے اسوہ بنا دیا گیا ہے۔

(۳) اگر خلیفہ کوئی خلاف شرع فعل اختیار کرے تو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کو حق ہے کہ امر بالمعروف کے قواعد و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے ناصحانہ طور پر کلمہ حق اس کے سامنے پیش کر دے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ازالۃ الخفاء میں اس کے متعلق فرماتے ہیں "و از اعظم انواع جہاد است امر کردن خلیفہ بمعروف و نہی او از منکر بغیر خروج بسیف و می باید کہ بلطف باشد دون العنف و در خلوت باشد دون الجلوۃ تا فتنہ بر نخیزد۔" خلفاء راشدین اور صحابہ کے بہت سے واقعات اس کے شاہد عدل ہیں۔

(۴) خلیفہ وقت اگر کسی کو صریح خلاف شرع کام کرنے کا حکم دے تو اس پر اس کام میں خلیفہ کا اتباع واجب نہیں۔ حدیث میں اسی دفعہ کے متعلق ارشاد ہے۔

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ "خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی"

(۵) امیر اگر اسلام کو ترک کر کے مرتد ہو جائے تو وہ امارت سے معزول ہو جائے گا۔ اور مسلمانوں پر اس سے جہاد کرنا فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی امیر عام طور پر بے دریغ قتل و غارت اور عورتوں کی عفت دری اور غصب مال کرنے لگے اور شریعت کے قانون کا کوئی لحاظ نہ رکھے تب بھی جائز ہے کہ مسلمان اس کے خلاف جمع ہو کر اسے معزول کر دیں۔ کیونکہ اس کا حکم ڈاکوؤں کا سا حکم ہے (ازالۃ الخفاء ص۳) لیکن جب تک یہ نوبت نہ آئے بلکہ شخصی طور پر کسی کسی پر ظلم کرے اس وقت تک اس کی بغاوت ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ اس کی اطاعت پر صبر کرنا فرض ہے جس کی تفصیل عنقریب آتی ہے۔

یہ چند اصولی دفعات ہیں جو جمہوریت سے ملتی جلتی ہیں شخصی سلطنت میں یہ صورتیں موجود نہیں ہوتیں۔

اور دفعات ذیل شخصیت کی ہمرنگ ہیں۔

(۶) مشورہ میں اگر اختلاف رائے پیش آئے تو فیصلہ کثرت رائے کے سپرد نہیں۔ بلکہ امیر کی رائے پر ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اقلیت کو اکثریت پر ترجیح دیدے۔ قرآن عزیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرمانے کے بعد فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (پھر جب آپ عزم کریں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں) بصیغہ واحد حاضر فرما کر اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مشورہ کے بعد کسی جانب کو ترجیح دے کر اس کا عزم کرنا یہ فقط آپ کی رائے پر ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین اور دوسرے خلفاء

کے بہت سے معاملات اس کے شاہد ہیں جن کو انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل عرض کیا جائے گا۔

(۷) امیر کی اطاعت ہر مسلمان کے ذمہ سراً وعلانیۃً فرض ہے۔ جب تک کہ وہ کسی صریح حرام کا حکم نہ کرے۔ قرآن عزیز میں اسی کے متعلق ارشاد ہے۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و — اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور

اولی الامر منکم — اپنے امراء کی اطاعت کرو۔

(۸) امیر اگر کوئی ظالمانہ حکم نافذ کرے تب بھی رعایا کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کرے۔ ان کو اس وقت صرف اتنا حق ہے کہ امر بالمعروف کے ذریعہ حق بات اس کے سامنے پیش کر دیں اور بس۔ لیکن اگر امر بالمعروف کے بعد بھی امیر اپنے اس حکم پر قائم رہے تو رعایا کا فرض ہے کہ صبر کے ساتھ اس کی اطاعت کرے۔ اس کی سرکشی اور بغاوت کے لیے آمادہ ہونا اس وقت بھی جائز نہیں۔ حدیث میں اس دفعہ کے متعلق بکثرت تصریحات موجود ہیں

حضرت جریر بن عبداللہ روایت فرماتے ہیں کہ چند گاؤں والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ، بعض صدقات[1]، زکوٰۃ وصول کرنے والے عامل ہمارے پاس آتے ہیں

[1] اموال ظاہرہ یعنی مال تجارت اور جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے خلیفہ وقت کیطرف سے کچھ لوگ ملازم ہوتے تھے جو تمام صدقات وصول کر کے خلیفہ کے پاس جمع کرتے تھے اور پھر خلیفہ انکو مصرف زکوٰۃ میں اپنے انتظام سے خرچ کرتا تھا ان لوگوں کو عامل صدقہ کہا جاتا تھا جو امیر وقت کے نائب ہو کر صاحب نصاب لوگوں کے پاس جاتے تھے ۱۲ منہ

اور ہم پر ظلم کرتے ہیں (یعنی مقدارِ واجب سے زیادہ ہم سے وصول کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔

ارضوا مصدقیکم (ابوداؤد)	اپنے عامل صدقہ کو راضی کرو۔

انہوں نے پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر وہ ہم پر ظلم کریں تب بھی ہم ان کو راضی کریں آپ نے ارشاد فرمایا۔

ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم (رواہ ابوداؤد (از مشکوٰۃ)	اپنے عاملین صدقہ کو راضی کرو اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے۔

یہ عاملین صدقہ چونکہ خلیفہ اور امیر وقت کے نائب ہوکر ان لوگوں کے پاس جاتے تھے اس لئے ان کو مجبور کیا گیا ہے کہ ہر حال میں ان کی اطاعت کریں۔ وہ ظلم کریں تب بھی ان کے ذمہ ان کی اطاعت ضروری ہے۔

اسی کے متعلق ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر ابن عتیک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

سیاتیکم رکیب مبغضون	قریب ہے کہ تمہارے پاس چند مبغوض لوگ
فاذا جاؤکم فرحبوا بھم	آئیں گے پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم
وخلوا بینھم وبین ما	ان کی ساتھ فراخدلی سے پیش آؤ اور جو کچھ وہ
یبتغون فان عدلوا فلانفسھم	طلب کریں ان کو دیدو۔ اگر وہ انصاف
وان ظلموا فعلیھم وارضوھم	کریں گے تو انکو اس کا فائدہ پہنچے گا اور اگر انہوں
فان تمام زکوتکم رضاھم	نے ظلم کیا تو اس کا ضرر بھی بھگتیں گے تم انکو راضی
ولیدعوا لکم۔	کرو اس لئے تمہاری زکوٰۃ کا اتمام انکی رضا پر

(رواہ ابوداؤد) موقوف ہے (اور تم ان کی ساتھ اسطرح پیش

(از مشکواۃ) آؤ) کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں۔

ان احادیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ امیر وقت اگر ظلم بھی کرے تب بھی رعیت کے لیے اطاعت کے سوا کسی جذبہ کا استعمال جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کا ظلم و جور اور بد دیانتی عام خلق اللہ کو محیط ہو کر اس درجہ کو نہ پہنچ جائے کہ اس کو ڈاکوؤں کی فہرست میں داخل سمجھا جائے۔

ایک شبہ کا ازالہ لیکن یہ مطلب اس کا ہرگز نہ سمجھا جائے کہ اسلام نے خلیفہ اور امیر وقت کے لئے ظلم کا میدان وسیع کر کے امراء کو ظلم کرنے پر جری اور بیچاری رعیت کو ظلم سہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور یہ وہی عجمی ملوکیت و شخصیت ہے جس کے مفاسد اوپر بیان کئے گئے ہیں۔

کیونکہ نظام معاملات کی درستی کے لئے اسلام کا ایک خاص حکیمانہ اصول ہے جس کے تمام پہلو دیکھنے کے بعد ہر فہیم انسان یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ لوگوں کے باہمی معاملات کی اصلاح کیلئے اس سے بہتر کوئی قانون نہیں ہو سکتا اسلام نے ایک طرف اگر رعایا کو اس پر مجبور کیا ہے کہ امیر وقت کے ظلم وستم کے وقت بھی تم اس کو راضی کرنے کی کوشش کرو اور ہر حال میں اس کی اطاعت تمہارا فرض ہے۔ تو دوسری جانب امراء کو بھی آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کو اپنی جگہ میں اتنا پابند بنایا ہے کہ ان کی کو حرکت و سکون عدل کے خلاف نہ ہو سکے۔

حضرت معاذؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والی یمن بنا کر

رخصت کیا ہے۔ تو مفصل وصیتوں کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے۔

ایاك وکرائم اموالھم و	زکوٰۃ میں لوگوں کو عمدہ عمدہ مال منتخب
اتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس	کرنے سے بچو اور مظلوم کی بددعا سے ڈرو،
بینھا وبین اللہ حجاب ۔	کیونکہ اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان
رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ)	کوئی پردہ حائل نہیں۔

نیز حضرت جابر ابن عتیک والی حدیث میں جس جگہ رعایا کو اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر حال میں امیر کی اطاعت کریں، وہیں ان امراء کو جو لوگوں پر ظلم کریں، مبغوض و مردود فرمایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ سیکڑوں احادیث ہیں جن میں ذرا سے ظلم کرنے والے امیر کے لیے ایسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئی ہیں کہ ان کو سن کر پتہ پانی ہوتا ہے۔ الغرض ادھر امیر کو اپنی جگہ میں ظلم کے پاس جانے سے روکدیا گیا۔ اور ادھر رعایا کو اس پر مجبور کیا گیا کہ اگر وہ اپنے فرائض کو چھوڑ کر ظلم کرنے پر اُتر آئیں تمھیں اس وقت بھی اپنے فرائض اطاعت کو نہ چھوڑنا چاہیئے اسلام نے بیشتر تدبیر منزل و تدبیر ملک وغیرہ میں اسی زرین اصول سے کام لیا ہے باپ بیٹے کے معاملات میں ایک طرف بیٹے کو مجبور کیا کہ اگر باپ ظلم کرے تب بھی اس کی اطاعت تمہارے ذمہ فرض ہے۔ اور دوسری طرف باپ کو حکم کیا کہ اپنی اولاد کے ساتھ شفقت و رحمت سے کام لے اور جو ایسا نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔ اسی طرح خاوند بیوی کے معاملات میں بیوی کو مجبور کیا کہ خاوند اگر ظلم بھی کرے تب بھی تم اس کی اطاعت نہ چھوڑو۔ ادھر خاوند کو سخت

تاکید کی کہ بیوی کے حقوق کی پوری نگرانی کرے اور اگر اس میں کوتاہی کی تو قیامت میں اس کی جزا کے لئے تیار رہو جائے۔ اور یہ ایک ایسا حکیمانہ اصول ہے کہ جس سے تمام باہمی نزاع کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اگر ذرا غور سے کام لیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اختلاف اور جھگڑوں کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنی حدود اور اپنے فرائض کو چھوڑ کر دوسرے کی حدود میں گھسنا چاہتا ہے۔

مثلاً معاملات میں عدل وانصاف کرنا امیر کا فرض منصبی ہے۔ مامور رعایا کو اس میں اس سے زیادہ مداخلت جائز نہیں کہ آداب امر بالمعروف کو لحاظ رکھتے ہوئے حق بات امیر تک پہنچا دے۔ امیر اگر اپنے فرض کو ترک کرے تو کسی طرح عقل کا مقتضا نہیں کہ مامور بھی اپنے حدود سے باہر نکل کھڑا ہو اور اپنے فرائض کو چھوڑ دے۔

کیونکہ یہ انتقامی جذبہ کسی طرح مامور کے حق میں مفید نہیں اور نہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے حقوق امیر سے وصول کر سکتا ہے۔

فرض کرو کہ اگر اسلام اس وقت مظلوم کو ترک اطاعت کی اجازت دیدے اور اس کو بغاوت و سرکشی سے نہ روکے تو اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ ہوگا کہ اگر یہ مظلوم کوئی قوت و شوکت نہیں رکھتا تو بغاوت کر کے پہلے سے زیادہ مصائب و مظالم میں گرفتار ہو جائے گا اور اگر اس نے کوئی قوت و شوکت حاصل کر لی جس کے ذریعہ سے امیر کے مقابلہ پر آسکے تو یہ فتنۂ عظیم ہوگا جس میں سارے ملک کی جانیں اور مال خطرہ میں پڑ جائیں

گے اور جانبین کی بہت سی جانیں اور مال ضائع ہوں گے۔

بغاوت سے پہلے اگر صرف ایک شخص کا نقصان تھا تو بغاوت کرنے میں سارے ملک کا اس سے سوگنا زائد نقصان ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر سارا ملک عام طور پر اس کے مظالم کا شکار ہو جائے اور قتل و غارت میں اسے کسی شرعی حکم کا لحاظ نہ رہے تو پھر اس کے خلاف کرنے اور اس سے بدلہ لینے کو اسلام نے بھی جائز رکھا ہے۔ کما مرّ

ان نتائج پر نظر کرتے ہوئے اسلام نے حکمت کے مشہور قانون پر عمل کیا کہ :۔

اذا بتلی المرءُ ببلیتین فلیختر اھونھما۔ — جب آدمی دو بلاؤں میں گرفتار ہو تو دونوں میں سے جو سہل ہو اس کو اختیار کر لینا چاہیئے

جب امیر وقت ظلم کرے تو ہمارے سامنے دو مصیبتیں ہیں ایک یہ کہ مظلوم پر صبر کرے اور دوسرے یہ کہ علم بغاوت بلند کر کے خود بھی اس سے زیادہ مصیبت میں گرفتار ہو اور دوسروں کو بھی بلائیں مبتلا کرے۔ ظاہر ہے ان دونوں مصیبتوں کے مقابلہ کے وقت پہلی شکل کا اختیار کرنا ہی عقل سلیم کا مقتضی ہوگا۔ اور میں کہتا ہوں کہ ایسی حالت میں مظلوم کو ظلم پر صبر کرنے کی تلقین کا ذمہ دار فقط شخصیت یا اسلام نہیں۔ آج اگر موجودہ جمہوریتوں میں کسی شخص پر ظلم ہو اور کثرت رائے اس کے خلاف فیصلہ کر دے تو بتلائیے کہ یہ شخص کیا کرے گا۔ اور اس وقت سیاسی مدبرین اس کے لئے کیا فتویٰ دیں گے۔

کیا کسی عاقل کے نزدیک اس کیلئے یہ مناسب ہوگا کہ جمہوریت کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے خود بھی پہلے سے زیادہ مصائب کا تختۂ مشق بنے اور دوسرے لوگوں کو بھی مصیبت میں ڈالدے۔

بلکہ ہر عقلمند ایسی حالت میں اس کے لیے صبر کی تلقین کے سوا کوئی چارہ کار نہ سمجھے گا لیکن اس تلقین صبر کا کسی کے نزدیک مطلب نہ ہوگا کہ وہ جمہوریت کے ظلم کا حامی ہے یا امراء کے لیے ظلم کا میدان وسیع کر رہا ہے۔

پس اگر اسلام نے ایسی حالت میں مظلوم کو اطاعت امیر پر مجبور کیا تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ظلم کا دروازہ امراء کے لئے کھولدیا۔ خصوصًا جبکہ دوسری جانب امراء کو بھی اتنا کس دیا گیا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے اور ادھر رعایا کے ہر فرد کو یہ حق دیا ہے کہ امر بالمعروف کے ذریعہ سے کلمۂ حق اس کو پہنچا دے اور اس کو اپنے فرائض یاد دلائے۔

الغرض اسلامی قانون سیاست کی آٹھویں اصولی دفعہ یہ ہے کہ اگر خلیفہ وقت ظلم بھی کرے تب بھی رعایا پر اس کی اطاعت فرض ہے۔ البتہ امر بالمعروف کرنے کا حق ہر شخص کو ہر وقت حاصل ہے۔

(۹) انتخاب امیر کے وقت ضروری ہے کہ خلافت و امارت کی شرطوں پر نظر رکھی جائے جن میں سے عدالت بھی ایک شرط ہے۔ اس لیے کسی فاسق کو اپنے اختیار سے خلیفہ بنانا جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی فاسق زبردستی سلطنت پر قابو پالے یا پہلے بوقت انتخاب فاسق نہ تھا بعد میں فاسق ہوگیا۔ تو باوجود اس کے فسق کے اس وقت تک اس کے خلاف علم بلند نہ کیا جائیگا

جب تک کہ کفر صریح میں مبتلا نہ ہو جائے (ازالۃ الخفاء حضرت شاہ ولی اللہ)

البتہ اگر کفر صریح میں مبتلا ہو جائے تو وہ خلافت سے معزول ہے اور اور مسلمانوں کو اس کا علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) مسائل مجتہد فیہا جنمیں جانبین میں ادلۂ شرعیہ موجود ہیں جیسے حنفی شافعی وغیرہ کے مختلف فیہ مسائل ان میں سے اگر امیر کسی ایک جانب کو متعین کرکے لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دے تو ان کا فرض ہوگا اس کا اتباع کریں اگرچہ بحیثیت حنفیت یا شافعیت وہ اس کے مذہب کے خلاف ہو۔

(۱۱) ارکان مجلس شوریٰ کا انتخاب بھی اسلامی سیاست میں اس طوفان بے تمیزی کے ساتھ نہیں ہوتا جو موجودہ جمہوریت کا طغرائے امتیاز ہے اور جس کی بدولت تمام ملک جنگ وجدل بغض وعناد کی آماجگاہ بنا ہوا ہے بلکہ یہ انتخاب عموماً امیر خود اپنی رائے سے کرتا ہے۔ یہ چند دفعات ہیں جو شخصیت کے ہم رنگ نظر آتی ہیں۔

مجھے اسلام کا سیاسی قانون پیش کرنا نہیں بلکہ صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ اسلامی سیاست نہ درحقیقت وہ شخصیت وملوکیت ہے جو کسریٰ وقیصر اور ملوک عجم کا طریق تھا۔ اور نہ وہ جمہوریت جس کا آجکل عالم میں دور دورہ ہے کیونکہ یہ دونوں طریق نظام عالم کی اصلاح کے لیے کافی نہیں بلکہ اسلام نے اپنے اساسی اصول اعتدال کو پیش نظر رکھتے ہوئے دونوں کے درمیان ایک صراط مستقیم اختیار کیا ہے جو نظام عالم اور معاملات خلق کی اصلاح کے لئے بہترین کفیل ہے۔ اور اس تمام بحث میں

بھی اصل غرض صرف اس جزو سے متعلق تھی کہ مشورہ میں اگر اختلاف رائے پیش آئے تو فیصلہ کثرت رائے کے سپرد نہیں بلکہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔ جس کو اجمالاً دفعہ (۶) میں عرض کیا گیا ہے۔ اس وقت ہم اس کو کسی قدر تفصیل سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے پر ہے یا امیر مجلس کی رائے پر

اصولی طور پر اس بحث میں بھی ہمیں سب سے پہلے قرآن عزیز کو حکم بتانا چاہیئے اور اسی کے فیصلہ کو محکم اور مختتم فیصلہ سمجھنا چاہیئے جس کی چند آیات اس وقت درج ذیل کی جاتی ہیں۔

مشورہ کے متعلق قرآن عزیز کی سب سے زیادہ مشہور آیت یہ ہے۔

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ	آپ (معاملات میں) صحابہ اور مسلمانوں سے مشورہ لیجئے اور جب پختہ ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو حکم فرمایا گیا ہے کہ اہم معاملات میں (جن میں صریح وحی نہ آئی ہو) صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کریں لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مشورہ کے بعد جب آپ کسی ایک جانب کا عزم فرمائیں تو اس میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں۔ اپنی رائے یا، مشورہ پر بھروسہ نہ کریں۔

جس سے صاف معلوم ہوا کہ مشورہ کے بعد کسی ایک جانب کو ترجیح دینا اور اس کا عزم کرنا یہ فقط امیر مجلس کی رائے پر موقوف ہے۔ اور اگر

مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے کے سپرد ہوتا تو مناسب تھا کہ عزم کے لئے بھی جمع کا صیغہ استعمال کر کے یوں فرمایا جاتا فاذا عزموا یعنی جب صحابہ کسی جانب کا عزم کریں۔

الغرض آیت میں بجائے صیغہ جمع کے مفرد کا صیغہ استعمال کر کے اس بات کو بھی صاف کر دیا گیا ہے کہ مشورہ کے بعد فیصلہ کی صورت امیر مجلس کی رائے پر چھوڑی۔ امیر اپنی دیانت اور فہم سے جس رائے کو زیادہ صائب سمجھے اس کو نافذ کر دے۔

مشورہ کے متعلق دوسری آیت میں اس طرح ارشاد ہوا ہے۔

وامرھم شوریٰ بینھم (شوریٰ ۲۵) یعنی مسلمانوں کے معاملات آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔

جس میں صحابہ کرام اور سچے مسلمانوں کے اخلاق و اعمال کا اجمالی نقشہ دکھلاتے ہوئے ان کے اس طرز عمل کی مدح کی گئی ہے کہ وہ اپنے معاملات میں خود رائی سے کام نہیں لیتے بلکہ مشورہ کر کے طے کرتے ہیں۔

اس میں اگرچہ مسئلہ زیر بحث یعنی درصورت اختلاف فیصلہ مشورہ کے متعلق صراحۃً کوئی حکم مذکور نہیں لیکن جن حضرات کے مشوروں کی اس آیت میں مدح فرمائی گئی ہے جب ہم ان کے تعامل پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا شائبہ اختلاف بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مجلس شوریٰ پر کثرت رائے کی حکومت نہ تھی۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے مشاورات

جن کا ایک حصہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان میں سے کسی ایک میں آپ نے دیکھیں گے کہ مشورہ کے بعد موجودہ طرز پہ ووٹ لئے گئے ہوں اور آراء کو شمار کر کے ان کی کثرت پر فیصلہ کیا گیا ہو آیات قرآنیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور پھر تعامل صحابہ کا درجہ ہے۔ جو درحقیقت آیات قرآنی ہی کی صحیح تفسیر اور واضح شرح ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاورات اور فیصلہ کی صورت

غزوہ بدر مسلمانوں کی شاندار فتح پہ ختم ہوا اور قریش کے بڑے بڑے ستر آدمی گرفتار ہو کر دربار نبوت میں حاضر کئے گئے تو یہ سوال پیش ہوا کہ ان کی ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حسب عادت اس کے لئے مجلس شوریٰ طلب کی اور صحابہ کو جمع کر کے مسئلہ زیر بحث فرمایا۔ اتنی بات پر تمام روایات حدیث متفق ہیں کہ اس بارہ میں صحابہ کرام کی جانب سے مختلف رائیں پیش کی گئیں اور صدر الصدور سید الاولین و الآخرین نے ایک جانب کو ترجیح دے کر حکم نافذ فرمایا۔

یہ ایک ایسا واقع ہے کہ اگر اس کی مجلس شوریٰ کے ارکان کی صحیح تعداد اور ان کی رائیں معلوم ہو جائیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کو کس طرح رفع فرمایا۔ کثرت رائے کا اعتبار کیا یا قوت کا اور اکثریت کو ترجیح دی یا اقلیت کو تو ہماری بحث کا اسی پہ خاتمہ ہوا جاتا ہے۔ لیکن یہ عجب اتفاق ہے کہ اس مشہور واقعہ کو بہت سے راوی روایت فرماتے ہیں۔ مگر صحیح طور اس کی کوئی خبر نہیں دیتا کہ اس

جلسہ شوریٰ کے شرکاء کتنے حضرات تھے اور انہوں نے کیا کیا رائیں پیش فرمائیں بلکہ عام طور پر صرف حضرت صدیق اور فاروق اعظم کا اختلاف رائے ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ البتہ کتب حدیث و تفسیر اور سیر کی ورق گردانی کے بعد چند حضرات کے اسماء گرامی اور ان کی رائیں اور وہ تقریریں جو انہوں نے اس مجلس میں کیں ہیں ہمارے سامنے آئی ہیں۔ جس سے مسئلہ زیر بحث کا علی وجہہ بصیرت فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

روایات حدیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس شوریٰ ایک معتد جماعت پر مشتمل تھی جن میں سے حضرات ذیل کے اسمأ گرامی خاص طور پر ذکر کیے گئے ہیں:۔ حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت عمر فاروق اعظم۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ۔ حضرت سعد ابن معاذؓ۔

ان حضرات میں سے صرف حضرت صدیق اکبر کی یہ رائے تھی کہ ان سب کو چھوڑ دیا جائے۔ باقی حضرات میں سے کسی نے ان کی تائید نہیں کی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر فرمائی:۔

"یا رسول اللہ ﷺ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو وطن سے نکالا اور آپ کے ساتھ قتل و قتال کیا۔ میری رائے میں تو ان کو بلا کر سب کی گردن ماری جائے۔"

(ترمذی ابن ابی شیبہ امام احمد عن عبداللہ ابن مسعود از درمنثور صفحہ ۲۰۱)

حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ نے اس سے زیادہ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:۔

"یارسول اللہ میری رائے تو یہ ہے کہ ان سب کو کسی ایسی وادی میں داخل کیا جائے جہاں سوختہ زیادہ ہو۔ اور پھر اس میں آگ لگا دی جائے (روایت مذکورہ)۔

حضرت سعد ابن معاذؓ سے کوئی خاص تقریر منقول نہیں مگر ابن جریر نے بروایت محمد ابن اسحاق اتنا نقل فرمایا ہے کہ ان کی رائے بھی یہی تھی، سب کو قتل کر دیا جائے (تفسیر روح المعانی ص ۲۶ ج ۱۰)۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شرکت جلسہ کو تو خود حضرت عمرؓ نے ذکر فرمایا ہے مگر اس کے متعلق کچھ نہیں فرمایا کہ ان کی رائے کس طرف تھی۔

بہر حال جن حضرات کے اسماء گرامی مذکور ہیں ان میں سے صرف ایک صدیق اکبرؓ کی یہ رائے منقول ہے کہ ان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے باقی کسی کی تائید منقول نہیں۔

البتہ حضرت عبداللہ ابن عمر کی ایک روایت میں اجمالاً اس قدر منقول ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی مختلف رائیں مجلس میں پیش ہوئیں تو بعض حضرات نے ان کی موافقت کی اور بعض نے ان کی (اخرجہ ابن المنذر و ابوالشیخ و ابن مردویہ کذا فی الدر ص ۲۰۲ ج ۳)۔

لیکن اس روایت میں نام کسی کا نہیں لیا گیا۔ بہر حال جن حضرات کے ناموں کی صراحت ملتی ہے ان میں صرف ایک رائے چھوڑ دینے کی طرف ہے اور باقی ان سے بدلہ لینے اور قتل کرنے کی طرف۔

لہ اخرجہ ابن ابی شیبہ و احمد و مسلم و ابوداؤد و الترمذی وغیرہم کذا فی الکنز ص ۲۶۵ ج ۵)۔

یہاں تک تو شورٰی کی رائیوں کا تذکرہ تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس مجلس کے امیر حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ زیر بحث کا فیصلہ کس طرح فرمایا اس کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ والی حدیث میں مذکور ہے۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی آراء مختلفہ سن کر گھر میں تشریف لے گئے اور کسی کو کچھ جواب نہیں دیا۔ ادھر صحابہ میں رائے زنی شروع ہوئی کوئی کہتا تھا کہ آپ حضرت صدیق کی رائے کو اختیار فرمائیں گے اور کسی کا خیال تھا حضرت فاروق کی رائے قبول کی جائے گی۔ کچھ دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر فرمائی یہ تقریر حدیث عبداللہ ابن مسعود میں مفصل مذکور ہے جس میں فریقین کی دلجوئی کے الفاظ تھے اور پھر آپ نے آخری فیصلہ حضرت صدیق رضؓ کی رائے پر فرمایا۔

(رواہ احمد والترمذی وحسنہ الطبرانی والحاکم وصححہ، کذا فی روح المعانی صفحہ ۲۶ ج ۲)

خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کی روایت کی تو فیصلہ کے متعلق یہ الفاظ ذکر فرمائے ہیں۔

فھوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قال ابوبکر ولم یھو ما قلت واخذ منھم الفداء	پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کے قول کو پسند فرمایا۔ اور میرے قول کو پسند نہ فرمایا اور قیدیوں سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔

(رواہ ابن ابی شیبہ واحمد ومسلم وابوداؤد والترمذی وغیرہم عن ابن عباس عن عمر رضی اللہ عنہ)

(کنز العمال صفحہ ۲۶۶ ج ۵)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اور فاروق اعظم کو خطاب کر کے فرمایا۔

لو اجتمعتما ما عصیتکما۔ اگر تم دونوں ایک رائے پر جمع ہو جاتے تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا۔

(اخرجہ ابن مردویہ عن ابن عباسؓ درمنثور صـ۲۰۲ ج۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ان ارشادات نے ہمارے زیر بحث مسئلہ کا بچند وجوہ قطعی فیصلہ فرمادیا ہے۔

(الف) شرکاء مجلس میں سے جن حضرات کی رائیں روایات میں مذکور ہیں ان میں اکثریت بلکہ ایک رائے کے سوا تمام رائیں اس طرف تھیں کہ ان قیدیوں سے انتقام لیا جائے اور قتل کر دیا جائے۔ صرف ایک صدیق اکبر کی رائے تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اکثریت کی کچھ پروا نہ کی بلکہ قوت رائے پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت صدیق کی رائے کو ترجیح دیدی۔

(ب) اور اگر اس سے بھی قطع نظر کی جائے تو فیصلہ کے متعلق جو الفاظ حضرت عمرؓ نے ذکر کئے ہیں وہ خود ہمارے لئے ایک مستقل وکیل ہیں۔ جن میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور فاروقؓ کی رائے کو پسند نہیں فرمایا ان الفاظ سے خود ظاہر ہے کہ درصورت اختلاف مشورہ کا فیصلہ امیر مجلس کی رائے پر ہے۔ اس کے نزدیک قوت رائے کے اعتبار سے جو پسندیدہ ہو اس کو نافذ کرے خواہ اکثریت

اس کے موافق ہو یا مخالف۔

(ج) عام صحابہ کرامؓ نے جو فیصلہ کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان کے الفاظ بھی تقریباً حضرت فاروقؓ کے بیان کی ساتھ ملتے جلتے ہیں جن میں ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ کوئی کہتا تھا کہ آپ حضرت صدیق کی رائے کو قبول فرمائیں گے اور کسی کا خیال تھا کہ اس بحث میں رائے فاروق کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ کسی نے نہ کیا کہ مجلس کے موجودہ ارکان کو شمار کر کے کثرت رائے سے صورت فیصلہ کی تعیین کر لیتا یہ صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی مجالس مشورہ پر کثرت رائے کی حکومت نہ تھی۔ ورنہ صحابہ کو اس رائے زنی کرنے کا کوئی موقع ہی نہ تھا کیونکہ صورت فیصلہ خود بخود متعین تھی۔

(د) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں شیخین کے متعلق خود حضرت نبوت کے یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ "اگر تم دونوں کسی رائے پر متفق ہوتے تو میں تمہارا خلاف نہ کرتا" اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف آرا کی صورت میں آپ کثرت رائے کے پابند نہ ہوتے تھے۔ ورنہ اس کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ میں تم دونوں کا خلاف نہ کرتا۔

اس ایک واقعہ نے اتنی متعدد وجوہ سے یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی سیاست میں کثرت کے بجائے قوت رائے کا اعتبار ہے۔ اور امیر مجلس کثرت رائے کا پابند نہیں کیا جاتا۔

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ | یہاں پر اگر یہ کہا جائے کہ بدر کے قیدیوں کے

معاملہ میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کے مقابلہ میں صرف حضرت ابوبکر کی رائے پر عمل فرمایا تھا۔ لیکن خداوند عالم کے نزدیک یہ فعل مقبول نہ ہوا بلکہ اظہار ناراضی کے کلمات قرآن کریم میں نازل ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک اجتہادی لغزش تھی جس کا ہونا شان نبوت کے خلاف نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں ناراضی کا سبب نہ کثرت رائے کو چھوڑنا ہے۔ اور نہ یہ کہ جس رائے کو اختیار کیا گیا ہے وہ فی نفسہ غلط تھی، اور یہی وجہ ہے کہ بعد میں بھی حکم وہی باقی رہا جو اس واقعہ میں حضرت صدیق کے رائے کے موافق جاری کیا گیا تھا۔ چنانچہ خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حدیبیہ میں ستر قیدیوں کو چھوڑا ہے۔ نیز ثمامہ ابن اثال کو قید کرنے کے بعد رہا فرمایا ہے بلکہ یہ ناراضی دوسرے اسباب کی بنا پر تھی (جن کے بیان کا یہ موقع نہیں) یہی وجہ ہے کہ اظہار ناراضی کے الفاظ میں بھی یہ نہیں فرمایا گیا کہ آپ نے کثرت رائے کو چھوڑ کر اقلیت کو کیوں ترجیح دی۔ بلکہ دوسرے اسباب ذکر کئے گئے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں اس بحث کے متعلق لکھتے ہیں۔ وقد تکلم الناس فی ای الرایین کان اصوب فرجحت طائفۃ قول عمرؓ لھذا الحدیث ورجحت طائفۃ قول ابی بکرؓ لاستقرار الامر علیہ وموافقۃ الکتاب الذی سبق من اللہ باحلال ذلک لھم ولموافقۃ الرحمۃ التی علیت الغضب (زاد المعاد ص۳۲۲ ج ۱) (ترجمہ) لوگوں نے اس میں کلام کیا ہے کہ ان دونوں رایوں میں سے کونسی رائے درست اور صواب تھی۔ سو بعض حضرات نے

حضرت عمر کی رائے کو صواب قرار دیا ہے۔ ہو یہ اسی حدیث کے دجس میں خداوند عالم کیجانب سے اس فیصلہ پر اظہار ناراضی کا ذکر ہے) اور دوسرے حضرات نے صدیق اکبرؓ کی رائے ہی کو صواب قرار دیا ہے کیونکہ بالآخر شرعی حکم وہ ہی قرار پایا ہے جو حضرت صدیق کی رائے تھی دیعنی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دینا) نیز یہ رائے اس ازلی فیصلہ کے مطابق تھی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر تھا۔ نیز یہ رائے اس رحمت الٰہیہ کے موافق بھی ہے جو غضب پر غالب ہے۔

الغرض یہ اظہار ناراضی بعض وقتی امور کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ ورنہ خداوند عالم نے بھی ہمیشہ کے لیے اسی حکم کو جاری رکھا ہے جو اس فیصلہ میں حضرت صدیقؓ کی رائے پر کیا گیا تھا۔

ایک اور واقعہ | اسی غزوۂ بدر میں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی مختصر جمعیت کے ساتھ محاذ جنگ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر نکل گیا ہے مگر قریش کا بڑا لشکر جو اس قافلہ کی امداد کیلئے مکہ سے آیا ہے ابھی اس میدان کے کنارے پڑا ہے۔ تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اب جنگ کو شروع کیا جائے یا ملتوی کر دیا جائے اس مجلس شوریٰ کی روداد حضرت انسؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاور حیث بلغه اقبال ابی سفیان ۔ فتکلم ابوبکر فاعرض عنه ثم تکلم عمر فاعرض عنه فقال سعد ابن	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوسفیان کے نکل جانے کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رائے پیش کی تو آپ نے ان سے رخ پھر لیا۔ پھر حضرت عمر نے اپنا خیال ظاہر

عبادۃ ایانا تو ید یا رسول	کیا تو ان سے بھی اعراض کیا۔ پھر سعد ابن
اللہ والذی نفسی بیدہ لو	عبادہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ
امرتنا ان نخیضھا البحر لا	ہماری رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ قسم ہے
خضناھا ولو امرتنا ان	اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے
نضرب اکبادھا الی برک	اگر آپ یہ حکم فرمائیں کہ ہم اپنے گھوڑے سمندر
الغماد لفعلنا۔ رواہ ابن	میں ڈالدیں تو ہم فوراً کود پڑیں گے اور اگر آپ
ابی شیبۃ۔ وکذا فی الکنز	یہ امر فرمائیں کہ مقام برک غماد تک گھوڑے
صفحہ ۲۷۳ جلد ۵)	دوڑائیں تو یقیناً ہم اطاعت کریں گے۔

اس مجلس مشورہ کے طرز عمل سے بھی قطعی طور پر معلوم ہوا کہ اسلامی جلسہ شوریٰ موجودہ جمہوریت کی طرح کثرت رائے کا محکوم نہ تھا۔

تیسرا واقعہ | غزوہ احد میں جب کفار مکہ کا لشکر مدینۃ الرسولؐ کے قریب آپہنچا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اس مشورہ میں بھی اختلاف رائے کی نوبت آئی۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ مسلمانوں کا لشکر شہر مدینہ سے باہر نہ نکلے بلکہ جب کفار شہر میں داخل ہونے لگیں تو گلی کوچوں میں منتفرق طور پر مقاتلہ کیا جائے اور چھتوں کے اوپر سے عورتیں ان کی امداد کریں۔ خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی یہی رائے تھی اور بعض صحابہ اس کے خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ ہمیں باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ مختلف رائیں سن کر گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اور ان لوگوں

کی رائے کے موافق تیاری شروع کی جو مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیتے تھے۔ لیکن جب ادہران لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اصرار کر کے آپ کو اپنی رائے کے خلاف پر مجبور کر دیا۔ یہ مناسب نہیں یہ سوچ کر ان سب کی رائے بدل گئی اور جب آپ باہر تشریف لائے تو متفقہ طور پر یہ عرض کی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ماینبغی لنبی اذا لبس لأمته	کسی نبی کے لئے مناسب نہیں جب وہ اپنی ذرہ
ان یضعها حتی یحکم	پہن لے کہ اس کو پھر نکال دے جبتک کہ حق
الله بینه و بین	تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ
عدوہ۔	نہ فرمائے۔

الغرض آپ نے اسی رائے کو نافذ فرمایا۔ اور ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر باہر تشریف لے گئے (کذا فی زاد المعاد صفحہ ۳۴۸ جلد ۱)

اس واقعہ میں بھی چند وجوہ سے ہمارے مسئلہ زیر بحث پر روشنی پڑتی ہے

(۱) اوّل اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ ابتدا ًء فرمایا تھا اس میں کثرت و قلت کی کوئی گفتگو درمیان میں نہیں آئی۔ بلکہ جس رائے کو آپ نے نافذ فرمایا تھا اس کی ترجیح کی وجہ روایات کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہیں۔ کہ یہ جماعت فضلائے صحابہ پر مشتمل تھی اور ان کی قوت رائے باعث ترجیح ہوئی روایات کے الفاظ یہ ہیں۔

فبادرہ جماعة من فضلاء	ان فضلاء صحابہ کی ایک جماعت آگے

الصحابة ممن فاته الخروج يوم بدر واشاروا عليه بالخروج والحوا عليه فی ذلک (زاد المعاد ص ۳۴ ج ۱)	پڑھی جن کو غزوہ بدر میں شرکت کا موقع نہیں مل سکا تھا تو انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ آپ باہر نکل کر جنگ کریں لعد اس رائے پر اصرار کیا

(۲) دوسرے یہ کہ بعد میں جب ان حضرات کی رائے بدلی اور سب نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ شہر کے اندر ہی مقابلہ کیا جائے تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے خلاف خروج ہی کے حکم کو نافذ فرمایا۔

یہ چند واقعات ہیں جن سے حضرت نبوت کی مجلس شوریٰ کے طرز عمل کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے اور بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشوروں میں اہل شوریٰ کی رائیں شمار کرنے اور پھر کثرت پر فیصلہ کرنے کی ایک نظیر بھی پیش کیجا سکتی۔

اس کے بعد ہم خلفاء راشدین کی مجلس شوریٰ اور اس کے طرز عمل کو چند واقعات کے ذریعہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مجالس شوریٰ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاورات اور ان کے طرز عمل اگرچہ قواعد اصول کے مطابق تمام امت کے لئے اسوہ ہیں۔ اور جب تک تخصیص کی کوئی صریح دلیل معلوم نہ ہو اس وقت تک اس طرز عمل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

لیکن تاہم کسی کو یہ خیال گزر سکتا ہے کہ آپ تو بوجہ عہدہ نبوت خود مشورہ کے بھی محتاج نہیں تھے۔ اور اسی وجہ سے تمام امت کے مقابلہ میں

آپ کی تنہا رائے راجح ہو سکتی ہے۔ لیکن نبی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کیلئے یہ اختیار ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کے بعد ہم خلفاء راشدین کا طرز عمل اور ان کی مجالس شوریٰ کا اجمالی نقشہ بھی ناظرین کے لئے پیش کر دیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی مجلس شوریٰ

فریضہ زکوٰۃ چھوڑنے والوں پر جہاد اور صحابہ کی رائیں

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی تو مدینہ میں نفاق پھیل گیا اور عرب مرتد ہونے لگے ادھر عجم میں بھی یہی سمی ہوا اثر کر گئی اور مرتد ہو کر مقابلہ کی دھمکیاں دینے لگے۔ اور ان کی زبانوں پر یہ باتیں آگئیں کہ یہ شخص جس کی وجہ سے مسلمان تمام اقوام پر بھاری تھے۔ اور جس کی وجہ سے ہر جنگ میں ان کی مدد ہوتی تھی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وفات پا گئے اور اب مسلمانوں کا مٹا دینا سہل ہو گیا ہے۔

خلیفہ وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھ کر مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور یہ تقریر فرمائی کہ۔

آپ کو معلوم ہے کہ عرب نے زکوٰۃ ادا کرنی چھوڑ دی اور وہ اپنے دین سے مرتد ہو گئے[1]۔ ادھر عجم نے تمہارے مقابلہ کے

---

[1] ارتداد کی وجہ یہی زکوٰۃ کا انکار تھا کیونکہ فرض قطعی کا انکار کفر ہے۔ اور یہ لوگ بھی اس

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

لئے نہاوند کو تیار کر رکھا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان جس شخص کی وجہ سے ہمیشہ مظفر و منصور ہوتے تھے (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آج انتقال کر گئے ہیں۔ اسوقت موقع ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دیا جائے۔ آپ مجھے مشورہ دیں کہ اس حالت میں کیا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ میں بھی تمہیں میں سے ایک شخص ہوں۔ اور مجھ پر بہ نسبت تمہارے اس مصیبت کا بوجھ زیادہ ہے۔

اعیان صحابہ مہاجرین و انصار کا مجمع ہے لیکن یہ واقعہ سن کر سب پر ایک سکتہ طاری ہے اور کوئی کچھ نہیں بولتا یہاں تک کہ ایک طویل سکوت کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریر شروع کی اور فرمایا۔

اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخدا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ (وقت کی نزاکت کو سامنے رکھ کر اس وقت) عرب سے نماز ادا کرنے ہی کو غنیمت سمجھیں۔ اور فریضۂ زکوٰۃ کے چھوڑنے پر مواخذہ نہ کریں۔ اس لئے کہ یہ لوگ اسلام میں ابھی ابھی داخل ہوئے ہیں اب تک اسلام ان کے دلوں میں رچا نہیں۔ پھر یا تو اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کی طرف پھیر دے گا اور یہ تمام اسلامی فرائض و احکام کو تسلیم کر کے سچے مسلمان ہو جائیں گے۔ اور یا اللہ تعالیٰ

فرض کے منکر ہو گئے تھے اس لئے مرتد قرار دیئے گئے۔ ورنہ فقط زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا بلکہ سخت گنہگار اور فاسق ہوتا ہے ۱۲ منہ

اسلام کی قوت دیدیگا تو ہم ان کے مقابلہ پر قادر ہو جائیں گے اس وقت مقابلہ کیا جائے گا۔ لیکن اس وقت تو موجودہ مہاجرین وانصار میں تمام عرب وعجم کے مقابلہ کی سکت نہیں۔

حضرت فاروق کی رائے سننے کے بعد صدیق اکبرؓ حضرت عثمان کیطرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے بھی حرف بحرف حضرت فاروق کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی اسی کی تائید کی۔ ان کے بعد تمام مہاجرین اسی رائے کی تائید میں یک زبان ہو گئے۔

یہ دیکھ کر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے بھی منفقہ طور پر یہی رائے کی کہ اس وقت ان سے مقاتلہ قرین مصلحت نہیں۔ یہ سنکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریر کے لئے منبر پر چڑھے۔

یہ افضل الناس بعد الانبیاء حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس شوریٰ کا ایک واقعہ ہے جس میں شوریٰ کے تمام ارکان بلا استثناء امیر کی رائے کے خلاف رائے پیش کرتے ہیں۔ اب سنئے کہ یہ مسلمانوں کا سب سے پہلا امیر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خلیفہ اس واقعہ میں کیا فیصلہ دیتا ہے۔ تاکہ ہمارے مسئلہ زیر بحث کا فیصلہ صاف طور پر خلیفہ اول کے عمل سے ہو جائے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ خطبہ چونکہ فصاحت و بلاعت اور شوکت و جلالت کا ایک خاص نمونہ ہے اس لئے عربی دان طبقہ کی دلچسپی کے لئے

اس کے الفاظ بھی نقل کئے جاتے ہیں

اما بعد فان الله بعث محمدا صلی الله علیه وسلم والحق قلّ شرید والاسلام غریب طرید قد رثّ حبله وقلّ اهله فجمعهم الله تعالی بمحمد صلی الله علیه وجعلهم الامة الباقیة الوسطی والله لا ابرح اقوم بامر الله واجاهد فی سبیل الله حتی ینجز الله تعالی لنا ویفی لنا عهده فیقتل من قتل منا شهیداً فی الجنة ویبقی من بقی خلیفة الله فی ارضه ووارث عباده الحق فان الله قال ولیس لقوله خلف وعد الله الذین امنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنهم

حمد و نعت کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جب کہ دنیا میں حق نہایت قلیل اور گمنام تھا اور اسلام محض اجنبی اور غیر مقبول تھا۔ اسی کی رسی بوسیدہ ہو چکی تھی اور اس کے اہل کم رہ گئے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جمع فرمایا اور انھیں قیامت تک باقی رہنے والی معتدل امت بنادی۔ خدا کی قسم میں برابر امر الٰہی پر قائم رہوں گا اور خدا کے راستہ میں جہاد کرونگا یہاں تک کہ حق تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمادیں۔ اور ہم میں سے جو قتل ہو وہ شہید ہوکر جنت میں جائے اور جو زندہ رہے وہ خدا کی زمین میں اس کا خلیفہ اور اس کے بندوں کا وارث ہوکر رہے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور اس کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا، کہ اللہ تعالےٰ نے نیک عمل کرنے

فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم واللہ لومنعونی عقالاً کانوا یعطون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم اقبل معھم الشجر والمدر والجن والانس لجاھدتھم حتی تلحق روحی باللہ ان اللہ لم یفرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ ثم جمعھما (رواہ الخطابی فی روایۃ مالک ذکرنا فی الکنز ص ۱۴۲ ج ۳)

واسے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو خلیفہ بنائے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ خدا کی قسم، اگر وہ لوگ جو زکوٰۃ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے اس میں سے ایک رسی بھی رد کیں گے تو میں ان سے برابر جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میری روح خدا تعالیٰ سے جا ملے اگرچہ اس وقت ان کی امداد کے لیے دنیا کا ہر درخت اور پتھر اور جن و انس میرے مقابلہ کے لیے جمع ہو جائیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے نماز اور زکواۃ میں کوئی فرق نہیں فرمایا بلکہ دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے۔

حضرت صدیق کے اس پر شوکت خطبہ نے مجمع کو محو حیرت بنا دیا تھا۔ تقریر ختم ہوتے ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا شرح صدر فرمایا ہے، میرا بھی اس پر شرح صدر ہو گیا۔

لیکن اس وقت بھی صرف فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت منقول ہے، اور کسی کی تائید میری نظر سے نہیں گزری۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بدستور اس کی مخالفت پر قائم رہنا اس واقعہ سے معلوم

ہوتا ہے کہ ۔

جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جہاد پر عزم مصمم کر کے مدینہ سے چل کھڑے ہوئے ۔ اور مقام ذی القصہ تک پہنچ گئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی بھاگ تھام لی اور فرمایا کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ کدھر جاتے ہیں ۔ آج میں بھی آپ سے وہی کہتا ہوں جو غزوہ احد میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا یعنی :-

شِم سیفك ولا تفجعنا بنفسك فو اللہ لئن اُصِبْنا بك لا یکون للاسلام بعدك نظام ابداً ۔ رواہ الدار قطنی فی غرائب مالك (کنز صفحہ ۱۴۳ ج ۳)	اپنی تلوار کو میان میں کیجئے اور ہمیں اپنی ہستی سے محروم نہ کیجئے کیونکہ خدا کی قسم اگر آپ کے قتل کی مصیبت ہم پر پڑ گئی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا کبھی نظام درست نہ ہوگا ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس تقاضا و اصرار پر خلیفہ اول خود تو واپس مدینہ میں تشریف لے آئے ۔ مگر اصل عزم کو نہیں چھوڑا ۔ بلکہ حضرت سیف اللہ خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر ان مرتدین کی طرف روانہ فرمادیا ۔

اس واقعہ میں خلیفہ اول رضؓ کے فیصلہ نے ہمارے مسئلہ زیر بحث کا نہایت وضاحت سے فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر مشورہ میں اختلاف آراء کی نوبت آئے تو ان سب آراء مختلفہ کو سننے کے بعد امیر کی رائے جس جانب پر قائم ہو جائے بس وہی

قابل انفاذ ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ؓ	خلفاء راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی خصوصیت اور اس میں انتہائی قابلیت

فقط اہل اسلام میں نہیں۔ بلکہ تمام دنیا کے قدیم و جدید سیاسی طبقوں میں بلاخلاف تسلیم کی جا چکی ہے۔ اور اسی لئے ہمارے مسلمانوں میں بھی جن حضرات کے نزدیک یورپین تمدن و معاشرت ہی تمام خوبیوں کا معیار ہے اور روشن خیالی اسی کا نام ہے کہ اسلامی قباء کو کھینچ تان کر اس جسم نازیبا پر راست بنا دیں اگرچہ اس کھینچا تانی سے خود قبا پھٹ جائے انہوں نے یورپ کی موجودہ جمہوریت کو بھی جب اسلام کے سر تھوپنے کی ٹھانی تو اس کا ذمہ دار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ٹھہرایا ہے۔

اس لیے عہد فاروقی کے چند دافعات پیش کئے جاتے ہیں جن کے مجموعہ سے اس میں شبہہ نہیں رہتا کہ خلافت فاروقی کے زمانہ میں بھی جب کہ سیاسی انتظامات کمال کو پہنچ چکے تھے خلیفہ وقت کثرت رائے کا محکوم نہ تھا، بلکہ صحیح معنی میں حاکم تھا اور ہر مختلف فیہ مسئلہ میں آراء مختلفہ سننے کے بعد جس جانب کی ترجیح پر اس کا شرح صدر ہوتا تھا۔ وہی تمام ممالک کے لئے نافذ ہوتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ امیر کے شرح صدر کا سبب کبھی کثرت رائے ہی ہو جائے اور کبھی دوسری وجوہ۔

امام ابو جعفر طبری بحوالہ صحیح بخاری و مسلم نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمرؓ شام کی

شام کی طرف چلے اور مقام سرغ[1] تک پہنچ گئے تو شام کے اسلامی حکام اور فوجی سردار آگے بڑھ کر یہاں آملے۔ اور خبر دی کہ آجکل شام میں وباء (طاعون) پھیلی ہوئی ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مہاجرین اولین کو جمع کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب سب جمع ہوگئے تو وباء کی خبر سنا کر ان سے مشورہ طلب کیا۔ ان کے آپس میں اختلاف ہوا۔ بعض نے عرض کیا کہ آپ ایک اسلامی کام کے لئے نکلے ہیں اس لئے ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ اب اس کو چھوڑ کر واپس ہو جائیں۔ اور بعض نے کہا کہ آپ کی ساتھ خدا کی ایک عظیم مخلوق اور تمام صحابہ کرام کا جتھا ہے ہمارے نزدیک مناسب نہیں ہے کہ آپ ان سب کو دباؤ میں ڈالدیں۔

خلیفہ وقت نے یہ اختلاف رائے سن کر نہ دونوں کے عدد شمار کئے اور نہ کثرت و قلت کو دیکھا بلکہ سب کو رخصت کر دیا۔ اور پھر حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ انصار کو جمع کرو۔ جب وہ جمع ہوگئے تو ان سے بھی یہی مشورہ طلب کیا۔ ان میں بعینہ یہی اختلاف رائے پیش آیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی رخصت کر دیا۔

اور پھر حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ اب ان سن رسیدہ قریشی مہاجرین کو جمع کرو جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں

[1] مدینہ طیبہ سے تیرہ منزل کے فاصلے پر ایک گاؤں کا نام ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ گاؤں وادی تبوک میں واقع ہے (الریاض النضرہ ص۱۰۱ ج۲) ۱۲ منہ۔

کہ میں نے ان کو جمع کیا۔ ان سب نے یہ معاملہ سن کر یک زبان ہو کر کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں اور اس تمام خلق اللہ کو وباء کی آگ میں نہ ڈالیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر لشکر میں اعلان فرما دیا کہ ہم علی الصباح یہاں سے مدینہ کو واپس ہو جائیں گے۔

صوبہ شام کے امیر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ تقدیر خداوندی سے بھاگتے ہیں۔ فاروق اعظم چونکہ ان کی بہت قدر کرتے اور ان کے خلاف کو پسند نہ کرتے تھے۔

اس لئے فرمایا کہ اگر تمہارے سوا کوئی اور ایسا کہتا تو بعید نہ تھا لیکن تم جیسے فہیم آدمی سے ایسا اعتراض بعید ہے، سن لو کہ بیشک ہم تقدیر خداوندی سے تقدیر خداوندی ہی کی طرف بھاگتے ہیں (مطلب یہ تھا کہ خلق اللہ کو ہلاکت اور مضرت کی جگہوں سے بچانا بھی حکم خداوندی ہی ہے لہذا ہم ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں اس میں کیا مضائقہ ہے؟)

اور پھر فرمایا کہ اگر آپ کسی جنگل میں اپنے اونٹ چرانے کے لئے لے جائیں اور ایسی جگہ میں جا کر اتریں جس کے دو حصے ہوں ایک قحط زدہ اور خراب اور دوسرے میں سبزہ لہلہاتا ہو تو کیا یہ بات صحیح نہیں کہ اگر آپ خراب حصہ میں چرائیں گے وہ بھی تقدیر خداوندی سے چرائیں گے۔ اور اگر اچھے سبزہ زار میں چرائیں گے تو وہ بھی تقدیر الٰہی سے ہو گا۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کہیں باہر تشریف لے گئے

تھے۔ اتفاقاً اس وقت پہنچ گئے اور واقعات سنکر فرمانے لگے کہ مجھے اس کا شرعی حکم معلوم ہے۔ کیونکہ میں نے خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ۔

اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارض وانتم بھا فلا تخرجوا فراراً منہ	جب سنو کہ کسی شہر میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر جس جگہ تم پہلے سے موجود ہو وہاں آجائے تو وہاں سے نہ نکلو۔

حضرت فاروقؓ نے یہ سن کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور حسب ارادہ واپس ہو گئے اس واقعہ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ مشورہ کا فیصلہ اسلامی خلافت میں کثرت رائے کے حوالہ نہ تھا۔ بلکہ مشورہ کی غرض محض یہ ہوتی تھی کہ لوگوں کی رائیں سن کر مسئلہ کے تمام پہلو روشنی میں آجائیں اور پھر جس چیز پر امیر کا شرح صدر ہو وہ عمل میں لایا جائے۔

اس واقعہ میں جب تک حضرت فاروقؓ کو شرح صدر حاصل نہیں ہوا مجلس شوریٰ کو بدلتے رہے۔ لشکر کی تنظیم اور مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم کے کے بارہ میں بھی جب حضرت فاروقؓ نے مجلس مشورت طلب فرمائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمانؓ اور ولید ابن ہشام ابن مغیرہؓ وغیرہم کی مختلف رائیں مجلس میں پیش ہوئیں۔ اس وقت بھی حضرت فاروقؓ نے کثرت و قلت کی طرف کوئی التفات نہیں فرمایا۔ بلکہ ولید ابن ہشام کی رائے کو زیادہ قوی اور مفید سمجھ کر اسی کو نافذ فرما دیا۔ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں اس مشورہ کے فیصلہ کے متعلق جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اس کے لئے شاہد

عدل ہیں۔ وھی ہذا۔

فاخذ بقولہ ای بقول ولید) آپ نے ولید کے قول کو قبول کر کے نافذ کیا۔

تاریخ الخلفاء صد ۱۰۲

یہ چند واقعات ہیں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مجالس مشورت کے جن کے دیکھنے کے بعد ایک مسلمان کو اس میں تردد نہیں رہ سکتا کہ اسلامی مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے کا محکوم نہیں ہوتا۔ خیال تھا کہ اسلامی تاریخ سے اس سلسلہ کی پوری تکمیل کی جائے اور حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے بعد جمہور خلفاء اسلام کی مجالس مشاورت کی روداد یں پیش کر کے مسئلہ زیر بحث کو مؤید و مشید کیا جائے۔ لیکن ایک طرف تو ہجوم افکار و حوادث اور ضیق وقت و قلت فرصت اس میں سنگ راہ ہو رہی تھی دوسری طرف یہ بھی خیال ہوا کہ ایک حق طلب مسلمان کی تشفی و اطمینان کے لئے تو اس قدر بھی کافی ہے۔ اور معاند و مخالف کے لئے ہزار دفتر بھی مفید نہیں۔ اس لئے اس تاریخی سلسلہ کو یہیں ختم کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ آخر میں کثرت رائے کی حقیقت اور اس کے ایک گونہ فائدہ پر بھی تنبیہ کر دینا ضروری ہے۔

کثرت رائے کی حقیقت اور اس کا فائدہ

اگر مشورہ کی حقیقت اور اس کی اصلی غرض پر نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ زیر غور معاملہ کی تمام جوانب منافع اور مضار

روشنی میں آجائیں اور پھر مشورہ لینے والا جس جانب کو اختیار کرے علی بصیرۃ اختیار کرے۔ کیونکہ بہت مرتبہ ایک کام کے منافع انسان کے سامنے ہوتے ہیں اور اس کی مضرتوں کا اس کو علم نہیں ہوتا یا ان سے ذہول ہوتا ہے مشورہ سے اس کے تمام مضر اور نافع پہلو واضح ہو کر ایک جانب کو علی بصیرۃ ترجیح دینے پر قدرت ہو جاتی ہے یہ ہے مشورہ کی اصلی غرض اور مقصد۔ اس کا مقتضیٰ خود یہ ہے کہ مشورہ طلب کرنے والا بعد مشورہ کے بھی ایسا ہی آزاد رہے جیسا قبل از مشورہ تھا۔ قلت و کثرت کا محکوم نہ ہو بلکہ مسئلہ کے تمام جوانب کو دیکھ کر جو اس کی رائے قائم ہو اسی کو توکلاً علی اللہ اختیار کرے۔

اور در حقیقت کسی رائے کے صائب اور مفید ہونے کو کثرت و قلت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بعید نہیں کہ کثرت رائے اکثر غیر مفید بلکہ مضر جانب پر ہوا کرے۔

مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے سرسید احمد خاں صاحب سے اس مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے ایک عجیب لطیفہ بیان کیا۔ کہ اس عالم میں باتفاق، عقلائے دنیا اچھی چیزیں کم ہیں اور بری زیادہ۔ تمام طبقات عالم میں یہ کلیہ مشاہد ہے بالخصوص انسان میں تو بہت ہی واضح ہے۔ دنیا کی تمام مردم شماری کے ساتھ جب اہل علم و فضل اور کسی طبقہ کے اہل کمال اور صائب الرائی لوگوں کا موازنہ کیا جاتا ہے تو ہزار میں ایک بھی بمشکل نکلتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں بے وقوف اور ناتجربہ کاروں کی بہت کثرت ہے اور عقلاء و تجربہ کاروں کا سخت قحط۔ لہذا کثرت رائے کا فیصلہ اکثر حماقت اور بیوقوفی کے فیصلہ کا مرادف ہوگا۔

اور حقیقت یہی ہے کہ ذرا سے غور کرنے پر یہ بات مشاہد ہو جاتی ہے۔ کہ کسی رائے کے صواب اور قابل عمل کے لئے کثرت کا اس کی طرف ہونا ہرگز معیار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کثرت و قلت کو اس سے کچھ تعلق ہے۔ ایک ماہر اور تجربہ کار انسان کی انتہا رائے ایسے سیکڑوں انسانوں کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے جنہیں مہارت و تجربہ نہیں۔

الغرض رائے کی خطا و صواب معلوم کرنے کے لئے کثرت کی طرف جانا بالکل عقل سلیم کے خلاف ہے۔

البتہ کثرت رائے پر عمل کرنے میں ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ اس سے بظاہر نزاع قطع ہو جاتا ہے اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملتا کہ امیر نے کسی فریق کی جانب داری کی۔ لیکن اس نزاع اور پھر قطع نزاع کی صورت و ضرورت جبھی پیش آتی ہے جب کہ لوگوں کے قلوب آجکل کی بے معنی آزادی سے متاثر ہوں کہ انھیں اپنی رائے چھوڑ دینا اور خلق اللہ کے مفاد پر اپنی شخصی رائے کا ایثار کر دینا مصیبت گذرنا ہو اور ہر شخص اپنے آپ ہی کو متبوع و مطاع سمجھتا ہو۔

مگر جس مذہب کی تمام تعلیم کا خلاصہ ایثار و اخلاص اور تواضع و مسکنت ہو اس کو کیا ضرورت ہے کہ یہ صورت اختیار کرے جو لوگ اس تعلیم سے متاثر ہوں گے وہ تو اپنی رائے کے خلاف پر بھی بعد حکم امیر اسی طرح راضی ہونگے جس طرح موافقت پر۔ اور جو لوگ اس سے متاثر نہیں انھیں سلطنت کی قوت متاثر کرے گی۔

خلاصہ یہ کہ کثرت رائے کو ترجیح دیدینا درحقیقت قرعہ کی مثال ہے کہ اس سے نزاع ایک حد تک قطع ہو جاتا ہے لیکن وضوحِ حق کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ پس الحمدللہ ثابت ہو گیا کہ نظام عالم کی درستی کے لئے کثرت رائے پر فیصلہ کرنا ہرگز ہرگز مفید نہیں ہے۔

آزادی اور غلامی کا بے معنی راگ

حیرت ہے کہ موجودہ زمانہ کے روشن خیال حضرات اطاعت امیر کو غلامی کہتے۔ اور اس کے مقابلہ میں موجودہ جمہوریت کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جمہوریت آزادی خیال اور حریت کی حامی ہے لیکن اگر ذرا عقل سے کام لیں تو اس بارہ میں دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا کیونکہ اطاعت امیر اگر آزادی کے خلاف اور ایک گونہ غلامی ہے تو پارلیمنٹ یا ممبران کونسل کی اطاعت میں کونسی فضیلت ہے کہ اس کو غلامی نہ کہا جائے صرف اتنا فرق ہے کہ خلافت اسلامیہ میں تمام رعایا ان کے قول پر ایک شخص کی غلام بنتی ہے تو یہاں جمہوریت میں دس آدمیوں کا غلام بننا پڑتا ہے کیونکہ جس طرح اسلامی خلافت میں امیر کے خلاف کسی شخص کو کوئی حرکت کرنے کی اجازت نہیں اسی طرح جمہوریت میں بھی ممبران مجلس میں سے اکثر نے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ ہی سارے ملک کو ماننا پڑتا ہے اگرچہ سب کی رائے کے خلاف ہو۔ اس وقت ان آزاد خیال احرار سے کوئی پوچھے کہ یہ کونسی آزادی ہے جس کی خاطر اصول اسلامیہ کو چھوڑا جاتا ہے۔ آزادی اور حریت تو جب تھی کہ آپ اپنی اپنی رائے کے پابند ہوتے۔ اور جو چاہتے کرتے۔ الغرض اگر آزادی کے یہ معنی ہیں کہ

انسان جو چاہے کرے اور اپنی رائے کو کسی وقت نہ چھوڑے تو جب تک آدمی سیاست و نظام کا پابند ہو اس کو آزاد کہنا بالکل بے معنی ہے نہ شخصیت کے ماتحت رہ کر ایسا آزاد ہو سکتا ہے اور نہ جمہوریت کے ماتحت۔ اور اگر آزادی اور آزاد خیالی کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص اپنی رائے پیش کرنے میں آزاد ہے تو یہ آزادی دونوں صورتوں میں کہیں نہیں جاتی اور جس طرح، جمہوریت میں اس کی رائے سنی جا سکتی ہے۔ اسیطرح بلکہ اس سے زیادہ ٹھنڈے دل سے اسلامی خلافت کا دروازہ اس کے لئے کھلا ہوا ہے۔

بلکہ اگر حالات کی تفصیل پر نظر ڈالی جائے تو موجودہ جمہوریت میں آزادی رائے کا نام نہیں سارے ملک میں سے صرف چند ممبروں ہی کو اہل الرای قرار دیا گیا ہے اور بس یہی وجہ ہے کہ اگر رعایا کے افراد میں سے کوئی شخص نہایت تجربہ کار اور ماہر سیاست عالم فاضل اپنی رائے پیش کرنا چاہے تو اگر یہ باضابطہ ممبر نہ ہو تو اس کی رائے کو رائے ہی نہیں سمجھا جاتا اور نہ قصر جمہوریت تک اس غریب کی آواز پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ اگر قانون انتخاب، ممبران کو دیکھا جائے تو اکثر ایسے شخص کو ممبری میں بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہاں تو ممبری کا مدار کثرت مال اور حیثیت اور جائداد وغیرہ پر ہے۔ گویا اہل الرای اور عاقل کی تعریف جمہوریت کے قانون میں یہ ہے کہ زیادہ پیسہ والا ہو۔ یا للعجب کثرت مال کو اہل الرائے اور صائب الفکر ہونے سے کیا تعلق۔ بلکہ اقوام عالم کا اکثری تجربہ بالکل اس کے خلاف ثابت کرتا ہے کہ مالداری کی ہوس اور ثروت کا نشہ انسان کے قوی

دماغیہ پر عموماً اس طرح چھا جاتا ہے کہ اسے دوسروں کی راحت و آرام کی مطلق پروا نہیں رہتی۔

الغرض جمہوریت کے قانون میں رائے پیش کرنے کا بھی صرف وہی شخص مجاز ہے جس کی گرہ میں ٹکے زیادہ ہوں چاہے دماغ و عقل سے خالی ہو اور پھر رائے پیش کرنے کے بعد وہ بھی آزاد نہیں بلکہ کثرت کے فیصلہ کا پابند ہے چاہے اس کے موافق ہو یا مخالف۔

بخلاف اسلامی خلافت کے کہ وہاں آزادی رائے میں مساوات کا کھلا ہوا اعلان ہے۔ اور جو شخص اپنی رائے کسی معاملہ میں پیش کرنا چاہے اس کو ٹھنڈے دل سے سن کر اس پر بھی اسی طرح غور کیا جاتا ہے جس طرح ممبران شوریٰ کی رائے پر۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مدار کار ممبران شوریٰ کی رائیں ہوتی ہیں۔ اور ان سے مشورہ طلب کرنا ضروری ہوتا ہے، دوسروں سے طلب کرنا ضروری نہیں لیکن اگر وہ خود پیش کرنا چاہیں تو کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو حقیقی آزادیٔ رائے اسلامی خلافت میں ہے نہ موجودہ جمہوریت میں پائی جاتی ہے اور نہ ملوک عجم کی شخصیت میں اور اسی سے ہمارا اصلی دعویٰ بھی بحمداللہ ثابت ہو گیا کہ۔

خلافت اسلامیہ نہ موجودہ جمہوریت کا نام ہے نہ شخصیت کا

بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک معتدل اور محکم قانون کا نام ہے جو نظام

عالم کی اصلاح کے لیے بہترین کفیل ہے۔ جس میں ایک حد تک تمام رعایا کو حقوق مساوات دیئے گئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی فرق مراتب کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا گیا بلکہ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے انسان کے لیے کچھ حدود مقرر کی تھی اپنی حدود میں ہر شخص مکمل آزاد ہے۔ البتہ اس حد سے آگے آزادی دنیا چونکہ دوسروں کے حقوق ضائع کرنے کا مرادف اور نظام عالم کے خلاف ہے اس لیے بالکل شتر بے مہار بھی نہیں کر دیا گیا۔ ایک طرف تو تمام رعایا پر اطاعت امیر فرض کی دوسری طرف رعایا کے ہر چھوٹے بڑے کو اس کا بھی حق دیا کہ اگر امیر کو کوئی کام خلاف شرع کرتا ہوا دیکھے تو (آداب امر بالمعروف کا لحاظ رکھتے ہوئے)۔ صاف صاف اس کو غلطی پر متنبہ کر دے۔

اگر ایک طرف تمام اموال مسلمین اور بیت المال پر تنہا امیر کے تصرف کو نافذ فرمایا تو دوسری طرف یہ بھی قاعدہ رکھا گیا کہ امیر بھی بیت المال کے لیے مثل ایک ملازم کے ہے اور صرف اس قدر اپنے لئے لے سکتا ہے کہ توسط کے ساتھ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچ چلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین اور مابعد کے خلفاء کے مجموعی مصارف ایک متوسط الحال فرد رعایا سے نہیں بڑھتے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت اور ملوکیت میں فرق کا معیار ہی یہ رکھا ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے دریافت کیا کہ ”میں بادشاہوں یا خلیفہ“ انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ بیت المال کا کوئی درہم بے جگہ صرف کرتے ہیں تو خلیفہ نہیں بلکہ بادشاہ ہیں اور اگر اس کے ایک ایک پیسہ کو

ٹھکانے لگاتے ہیں تو خلیفہ ہیں (تاریخ الخلفاء للسیوطی)۔

یہ ہے حقیقی جمہوریت کی روح جس کو اسلام نے۔ اور صرف اسلام نے ہی مضبوط پکڑا ہے۔ دنیا کی جمہوریتیں جس مساوات کے دعویٰ کرتی ہیں اسلام نے اس کو عمل سے دکھلایا ہے۔ آج یورپ کو اپنی جمہوریت اور اس کی ماتحت رعایا کی آمد و خرچ میں کیا نسبت ہے کچھ عرصہ گذرتا ہے کہ میں نے اخبارات میں دول یورپ اور اس کے امراء دولت کے مصارف کی فہرست پڑھی تھی جس کو دیکھ کر حیرت میں رہ گیا کہ جس کی رعایا میں ہزاروں انسان بھوک اور فاقہ سے ہلاک ہو رہے ہوں اور بری سے بری غذا سے بھی پیٹ نہ بھر سکتے ہوں اس کا حکمران بادشاہ اس طرح سونے میں کھیلتا ہے اور پھر مساوات کا دعویٰ اور زیادہ حیرت انگیز ہے۔

اخبار انقلاب لاہور مورخہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ میں بعض یورپین تاجداروں کے مصارف کی فہرست چھپی تھی جس کا اجمالی نقشہ درج ذیل ہے۔

شاہ سیام	۳۵	لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ جاپان	۲۲ ½	لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ اٹلی	۳۰	" "	شاہ ہسپانیہ	۱۸	" "
شاہ برطانیہ	۲۹	" "	شاہ ہیولڈن	۵	" "
شاہ رومانیہ	۲۵	" "	شاہ ڈنمارک	۴	" "

شاہ ناروے ۴ ½ لاکھ روپیہ سالانہ

اور بعض حالیہ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ انگلستان کے

ماہواری مصارف ستر لاکھ پچاس ہزار روپیہ، حسب تفصیل ذیل ہیں۔
جیب خرچ۔ ایک لاکھ دس ہزار پونڈ ماہوار۔ محلات شاہی کی آرائش کیلئے ہزار پونڈ ماہوار
ملازموں کی تنخواہ ایک لاکھ ۲۵ ہزار آٹھ سو " ۔ انعامات وخیرات کیلئے ۱۳ ہزار دوسو "
گھر کا خرچ ایک لاکھ ۹۲ ہزار پونڈ " ۔ متفرق اخراجات آٹھ سو پونڈ "
میزان کل مصارف ۴،۷۰،۰۰۰ پونڈ " ۔ بحساب روپیہ ۷۰،۵۰،۰۰۰ روپیہ۔

یورپ اور دنیا کے موجودہ حکمران طبقہ کے ان شاہانہ مصارف کو سامنے رکھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کیا دعویٰ کو حقیقت سے کوئی نسبت ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ موجودہ جمہوریتیں دھوکہ کی ٹٹی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ حقیقی جمہوریت اور صحیح عدل و مساوات صرف تعلیمات اسلام ہی کا حصہ ہے۔ جس میں کوئی اس کا مدمقابل نہیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بالخیر تمت

استخارہ کی حقیقت

ازافاضات فخرالہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

استخارہ کے معنی لغت میں طلب خیر کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس دعا کو کہتے ہیں جو کسی معاملہ کے مفید یا مضر ہونے میں تردد پیدا ہو جانے کی صورت میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کی جاتی ہے تاکہ تردد زائل ہو کر ایسی جانب متعین ہو جائے جس میں فائدہ ہو، اور نماز استخارہ وہ نفل نماز ہے جو اس دعا سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔

استخارہ درحقیقت مشورہ ہی کی ایک خاص نوع ہے۔ کیونکہ جس طرح مشورہ اپنے ابنائے جنس اور اقران وامثال سے اس لئے کیا جاتا ہے۔ کہ تردد زائل ہو کر ایک جانب متعین ہو جائے اسی طرح استخارہ گویا جناب علیم وخبیر سے مشورہ ہے تاکہ معاملہ کی جانب حق تعالیٰ کے علم میں بہتر ہو اور خیر ہو وہ ہی متعین ہو جائے۔

کیونکہ انسان کتنا ہی عاقل وزیرک اور تجربہ کار ہو۔ بہت مرتبہ رائے میں غلطی کرتا ہے اور مفید کو مضر یا مضر کو مفید۔ دوا کو مرض اور مرض کو دوا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اسی مضمون کو قرآن عزیز میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے

عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو — عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے

خیرلکم وعسٰی ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم ۔ | لئے بہتر ہو اور یہ بھی عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو اچھا جانو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہے

اسلامی تعلیمات کے وہ گرانمایہ اصول جو انسان کی دنیا و آخرت اور معاش و معاد کی درستی کے کفیل ہیں استخارہ بھی انھیں میں سے ایک زرین اصول ہے مضمون سابق میں آپ حدیث نبوی کا یہ جملہ پڑھ چکے ہیں ۔

ماخاب من استخار ولا ندم من استشار ولا عال من اقتصد (رواہ الطبرانی عن انس کنز ۱۶۴/۴) | جو استخارہ کرتا ہے وہ ناکامیاب نہیں ہوتا اور جو مشورہ کرتا ہے وہ نادم نہیں ہوتا، اور جو مصارف میں متوسط چال چلتا ہے وہ محتاج و فقیر نہیں ہوتا ۔

اس ایک مختصر حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اہم اور نہایت مفید چیزوں کی تعلیم فرمائی ہے ۔

(۱) اہم کاموں میں مشورہ لینا (۲) استخارہ کرنا (۳) بخل و اسراف کے درمیان متوسط چال رکھنا ۔

اور دوسری حدیث میں ہے ۔

من سعادۃ ابن آدم استخارتہ اللہ ومن سعادۃ المرء رضاہ بما قضی اللہ ومن شقاوۃ ابن آدم ترک استخارۃ اللہ ومن شقاوۃ ابن آدم سخطہ بما قضی اللہ لہ (رواہ الترمذی والحاکم عن سعید کنز ۱۶۴ ج ۴) ۔ | اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنا آدمی کی نیک بختی کی علامت ہے نیز اللہ کے حکم پر راضی رہنا بھی اس کے لئے سعادت ہے اور ترک استخارہ بدبختی کی علامت ہے، اور اللہ کے حکم سے ناراض ہونا بھی شقاوت ہے ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دعاء استخارہ کی اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح سورت قرآن کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور تمام کاروبار میں استخارہ کرنے کی تاکید فرماتے تھے (احیاء العلوم مصری ص۱۸۵ ج ۱)۔

بعض حکماء کا مقولہ ہے کہ جس کو منجانب اللہ چار چیزیں عطا ہو جائیں وہ چار چیزوں سے محروم نہ رہے گا یعنی جس کو حق تعالیٰ شکر کی توفیق عطا فرمائیں وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہے گا۔ اور جس کو توبہ کی توفیق دی جائے وہ قبولیت سے محروم نہ ہو گا۔ اور جس کو استخارہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے وہ صحیح رائے اور مفید نتیجہ سے محروم نہ کیا جائے گا۔ اور جس کو مشورہ کرنے کی عادت ہو وہ صحیح رائے کے سمجھنے میں دھوکہ نہ کھائے گا۔

استخارہ کس کام میں کیا جائے

استخارہ کی غرض چونکہ رفع تردد ہے اس لئے ایسے ہی کاموں میں استخارہ کیا جائے جن میں تردد ہو سکتا ہے۔ یعنی جن میں اچھے ہوئے اور برے ہوئے اور مضر یا مفید دونوں کا احتمال ہو سکے اس لئے عبادات واجبہ میں استخارہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا خیر اور بہتر ہونا متعین ہے ان کے برے یا مضر ہونے کا مطلقاً احتمال نہیں اسی مضمون کو مشہور اس ضرب المثل میں بیان کیا گیا ہے ؎ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست۔

البتہ حج کے لئے اس بات میں استخارہ ہو سکتا ہے کہ کونسا برس اس

کیلئے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ کہ رفیق سفر اور راستہ کونسا اختیار کیا جائے۔

طریق استخارہ

استخارہ کے لیے لوگوں میں بہت سے طریقے تعویز گنڈے والے عاملین مجوزہ مشہور ہیں جن میں سے اکثر اگرچہ قرآن و حدیث ہی کی دعاؤں سے مرکب ہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس طریقے سے بہتر کوئی طریق نہیں ہو سکتا جو خود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ ہے۔

اس لئے ہم صرف اسی کے نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی مہتم بالشان کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ اول دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھے۔ عام روایات حدیث میں اسی قدر مذکور ہے (کما رواہ البخاری) اور احیاء العلوم وغیرہ کی بعض احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکفرون پڑھے اور دوسری میں قل ھو اللہ احد اور بہتر یہ ہے کہ دعاء کے اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف پڑھے۔ نماز کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ اس جگہ اپنے مقصد کو ذکر کرے یا دل میں خیال کرے، خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ

وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْہِ - اَللّٰھُمَّ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُہٗ شَرًّا لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ اَوْمَعَاشِیْ اَوْعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَاَصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاَصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِہٖ (رواہ احمد والبخاری عن جابر کذا فی الکنز صا۲۷ ج ۴ -

ترجمہ - اے اللہ میں تیرے علم سے استخارہ کرتا ہوں (یعنی اپنے کام میں جانب خیر متعین کرنا چاہتا ہوں) اور تیری قدرت کاملہ سے قدرت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور تیرے عظیم الشان فضل کی بنا پر تجھ سے درخواست گزار ہوں اس لئے کہ تو قدرت رکھتا ہے اور مجھے کچھ قدرت نہیں اور تجھے علم ہے مجھے کچھ علم نہیں تو ہی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے - اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اس جگہ اپنے مقصد کو ذکر کرے) میرے لیے بہتر ہے میرے دین میں اور معاش میں اور آخرت وعاقبت میں تو اس کام کو میرے لیے مقدر فرما دے اور مجھ پر آسان کر دے اور پھر میرے اس کام میں برکت عطا فرما - یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے دین یا دنیا یا انجام کار میں اچھا نہیں مجھے اس کی طرف سے پھیر دے اور اس کو مجھ سے پھیر دے اور میرے لیے خیر اور بھلائی کو مقدر فرما دے جہاں کہیں ہو اور پھر مجھے اس چیز پر راضی کر دے جس میں میری بھلائی اور بہتری ہے -

اسی طرح سات مرتبہ استخارہ کرنے کے بعد سب سے اول جس جانب قلب کا میلان دیکھے اس پر بلا تامل عمل کرے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہو گی جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا هممت بامر فاستخر ربك فيه سبع مرّات ثم انظر الى الذى يسبق الى قلبك فان الخير فيه۔ رواه ابن السنى فى عمل اليوم والليلة

جب کسی کام کا ارادہ کرو تو سات مرتبہ اپنے پروردگار سے اس کے بارہ میں استخارہ کرو پھر دیکھو کہ سب سے پہلے قلب میں کیا خیال آتا ہے جو خیال آتا ہے جو خیال آئے اسی میں خیریت ہے۔

دوسرا مختصر طریقہ

اگر کام میں عجلت ہے اور اتنی مہلت باقی نہیں رہی کہ استخارہ مذکورہ کر سکے تو کام شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ دعاء ذیل پڑھے۔

اللّٰهُمَّ خِرْ لِيْ وَاخْتَرْ لِي (کنز العمال)

یا اللہ میرے لیے خیر کر اور جو صورت بہتر ہو اس کو ظاہر فرما۔

اور پھر جس طرف قلب کا میلان دیکھے عمل کرے۔ انشاء اللہ تعالٰے وہی بہتر ہو گا۔

حق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس اسلامی تعلیم پر عمل کرے تو کبھی اور کسی حال میں پریشان نہ ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ آج ہم اپنے کاروبار میں ہر بچہ اور بڑے سے مشورے کرتے ہیں اور ظاہری تدبیروں اور ان کی فکروں میں ہزاروں پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ مگر چند منٹ اس سنت حسنہ کے لئے صرف نہیں کئے جاتے اور اسی لئے اکثر تدبیریں انہی پریشانیوں

میں اضافہ کا سبب ہو جاتی ہیں۔

استخارہ کی بحث میں اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے دعاء ہے کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنا دے اور ان تعلیمات اسلام کا نمونہ عمل بنا کر غیروں کے لیے شمع ہدایت بنائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز وعلیہ التکلان وھو المستعان۔

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو

ریاض الصّالحین مترجم

عَرَبی، اُردُو

جلد اوّل ـ جلد دوم

۴۲۳ ۱۸۹۱

چار سو تیئیس آیاتِ قرآنی اور اٹھارہ سو اکیانوے احادیثِ نبوی کا وہ مستند اور قابلِ اعتماد ذخیرہ جو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی تحقیق اور جستجو کے ساتھ مرتب فرمایا ہے۔

وہ بیش بہا کتاب جو صدیوں سے مسلمان گھرانوں میں مقبول چلی آتی ہے
روزمرہ زندگی کی اصلاح اور درستگی کے لیے بے مثال اور مجرب لائحہ عمل

مصنف

امام محی الدین ابی زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ٦٧٦ھ)

ترجمہ و فوائد

مولانا عابد الرحمٰن صدیقی

ادارہ اسلامیات
لاہور - کراچی
پاکستان

قسم کے عملیات و تعویذات اور وظائف کی مستند و مقبول کتاب

اعمالِ قرآنی

مستند

کامل ۳ حصص

از: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مع

✓ جدید اضافات ✓ فضائل و خواص بسم اللہ

✓ حوالہ جاتِ قرآنی ✓ فضائل و خواص درود شریف

از: مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جس میں عملیات کے ساتھ قرآنی آیات سورت اور آیت نمبر کا حوالہ درج کیا گیا ہے۔

جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ تصحیح شدہ نسخہ

ادارہ اسلامیات

لاہور کراچی پاکستان

ادارہ اسلامیات
پبلشرز
بک سیلرز
ایکسپورٹرز

لاہور ـــــ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۴۱۲-فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۷۸۵

لاہور ـــــ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ـــــ ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

کراچی ـــــــــــــ موہن روڈ
چوک اُردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

E mail:idara@brain.net.pk